عربی زبان میں خداداد فصاحت وبلاغت کا عظیم الشان نشان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا
فصیح وبلیغ عربی زبان سیکھنے کا دعویٰ
اس کے دلائل اور ممکنہ اعتراضات کا علمی ردّ

محمد طاہر ندیم مربی سلسلہ
عربک ڈیسک یو کے۔

عربی زبان میں خداداد فصاحت و بلاغت کا عظیم الشان نشان

The Magnificent Sign of God-Given Eloquence and Articulacy in the Arabic Language

Written by:

Muhammad Tahir Nadeem

First published in Urdu in the UK: 2021

© Islam International Publications Limited

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey, GU9 9PS
United Kingdom

Printed in the UK at:
Raqeem Press, Farnham

Cover Designed by: Adeeba Tahir

ISBN: 978-1-84880-706-8

فہرست مضامین

پیش لفظ	
تمہید	1
حضور علیہ السلام کا عربی زبان میں کمال حاصل کرنے کا دعویٰ	8
دعویٰ کا خلاصہ	11
حضور علیہ السلام کا دعویٰ وسعت علمی اور اس کی تعریف	13
کامل وسعت علمی کیا ہے؟	13
عربی زبان پر ہر یک پہلو سے قدرت معجزاتِ انبیاء سے ہے	14
عربی لغات کے علم کا دعویٰ	16
اب سوال یہ ہے کہ یہ لغات کیا ہیں؟	17
لغات عرب میں اختلاف کی صورتیں اور اس کے اسباب	26
لغات عرب کی وضاحت کی اہمیت اور اس کے نتائج	31
عربی زبان کی فصاحت کے بارے میں قاطع بیان	46
حضور علیہ السلام کے موقف کی تائید	50
صرف ونحو کی حقیقت	53

حضور علیہ السلام کی عربی تحریرات پر ممکنہ اعتراضات، ان کے مآخذ کا بیان اور ان کے ردّ کا طریق	63
صرفی نحوی قواعد کے خلاف عبارتوں کی تطبیق کا طریق	64
کیا حضورؑ کی کتب میں سہو وغیرہ کی کوئی غلطی نہیں ؟!	66
کتابت کی غلطیوں اور سہو کاتب کے بارے میں اصولی ہدایت	68
مقامات حریری وغیرہ سے سرقہ کے الزام کا اصولی اور علمی ردّ	69
* پہلی اصولی بات: بعض فقرات کی بنا پر سرقہ کا الزام جہالت ہے	70
چند فقرات کی بناء پر سرقہ کے الزام کے نتائج	76
لفظی اشتراک اور تضمین سرقہ نہیں	82
* دوسری اصولی بات: توارد اور اس کی ضرورت	89
توارد کیوں ضروری ہے ؟	90
* تیسری اصولی بات: اقتباس ایک ملکہ ہے نہ کہ سرقہ !	91
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اور دیگر ادباء کے اقتباس میں فرق	95
حضور علیہ السلام کی انشاء پردازی اور حریری کی تحریرات	99
خلاصہ بحث	111

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ ھو الناصر

پیش لفظ

خدا تعالی نے اپنے تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی بدولت بے شمار نشانات اور معجزات کے ساتھ بھیجا جن میں سے ایک عربی زبان میں خداداد فصاحت وبلاغت کا عظیم الشان نشان ہے۔ جس کی تفصیل حضور علیہ السلام نے اپنی مختلف عربی و اردو کتب میں درج فرمائی ہے۔

مخالفین اور منکرین کی طرف سے جب اس معجزہ پر اعتراضات کئے گئے تو خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انکے اعتراضات کے کافی وشافی جواب عطا فرمائے اور بعد میں ہر زمانے میں علمائے جماعت نے تحقیق و تمحیص کے بعد نہ صرف معترضین کے اعتراضات کا جواب دیا بلکہ کئی نئے دلائل و حوالہ جات اور شواہد کی روشنی میں اس معجزہ کی اہمیت اور عظمت شان بھی نمایاں کر کے پیش کرنے کی کوشش کی۔

حالیہ دور میں کبابیر کے ایک مخلص احمدی مکرم ڈاکٹر ایمن عودہ صاحب نے بعض عرب معترضین کے اعتراضات دینے کے لئے مختلف کتب لغت اور قدیم وجدید

علمائے صرف ونحو کی مؤلفات کو بڑی عرقریزی سے کھنگالا اور بعض نئے شواہد کے اضافے سے اعتراضات کے جوابات کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ بعد ازاں انہوں نے ان جوابات کے ایک بڑے حصہ کو ''اَلإِيْجَازُ فِيْ مَظَاهِرِ الْإِعْجَازِ فِيْ لُغَةِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وَالْمَهْدِيِّ الْمَعْهُوْدِ سَيِّدِنَا أَحْمَد عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَأَزْكَى السَّلَامِ'' کے عنوان سے کتابی شکل میں بھی جمع کر دیا۔

معترضین کے اعتراضات اورڈاکٹر ایمن صاحب کے جوابات کو پڑھنے سے عربی زبان کے خداداد علم کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوی کو اس کتاب کے شروع میں یکجائی صورت میں پیش کرنے کی ضرورت کو بشدت محسوس کیا گیا۔ حضور انور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی اجازت سے یہ مضمون تیار ہوا جس میں ریسرچ سیل ربوہ سے آمدہ مواد کے علاوہ مکرم ڈاکٹر ایمن صاحب کی تحقیق سے بھی استفادہ کیا گیا۔

حضور انور ایدہ اللہ نے اس مضمون کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اسے مزید بہتر بنانے کے لئے ہدایات ارشاد فرمائیں جن میں اسے مختلف عرب اور غیر عرب علماء کو دکھانے اور انکی تجاویز سے استفادہ کرنے کا بھی ارشاد شامل تھا۔

چنانچہ اس بارہ میں استاذی المکرم رانا تصور احمد خان صاحب، مکرم عبد المؤمن طاہر صاحب، مکرم ڈاکٹر ایمن عودہ صاحب اور مکرم محمد شریف عودہ صاحب نے

گرانقدر تجاویز ارسال کیں جن کے مطابق مضمون میں تبدیلیاں اور اضافے کئے گئے۔ بعد ازاں حضور انور نے اسے اردو زبان میں الفضل انٹرنیشنل میں جبکہ اسکے عربی ترجمہ کو رسالہ التقوی میں اور انگریزی ترجمہ کو رسالہ الحکم اور ریویو آف ریلیجنز میں شائع کروانے کا ارشاد فرمایا۔

الفضل انٹرنیشنل میں چھپنے کے بعد بہت سے احباب نے پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ اس مضمون کو کتابی شکل میں بھی شائع کروانے کا مشورہ دیا۔

حضور انور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی منظوری کے بعد اب یہ مضمون کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ خدا تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اس حقیر سی کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور اس کتاب کو سعید روحوں کی ہدایت کا موجب بنائے۔ آمین۔

خاکسار طالب دعا

محمد طاہر ندیم

مربی سلسلہ عربک ڈیسک فارنہام یوکے۔

27 مئی 2021ء

تمہید

خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو حق کے ساتھ بھیجتا ہے اور پھر روحانی علوم اور حقائق ومعارف کے علاوہ نشانات اور معجزات کے ذریعہ ان کی تائید فرماتا ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں خدا تعالیٰ نے جب قرآن کریم میں مذکور پیشگوئیوں اور اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کی دی ہوئی خبروں کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تو جہاں آپ کی بے شمار نشانات وروحانی معارف سے تائید فرمائی وہاں آپ پر ربّانی علوم کے دروازے بھی کھولے۔ ان آسمانی علوم میں سے ایک کے بارے میں آپ علیہ السلام نے اپنی کتب میں تفصیلی اعلان فرمایا کہ عربی زبان ام الالسنہ یعنی تمام زبانوں کی ماں ہے اور یہی وہ پہلی زبان ہے جو اللہ تعالیٰ نے الہامی طور پر سکھائی اور باقی تمام زبانیں اسی سے نکلی ہیں۔ آپ علیہ السلام نے اس کے بارے میں متعدد دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کے سردار اور خاتم النبیین ﷺ کو ام القریٰ میں مبعوث فرمایا اور اس کے ساتھ ام الالسنہ میں کلام فرمایا اور اسے ام الکتاب یعنی قرآن کریم عطا فرمائی جسے ہمیشہ کے لیے تمام دنیا کے واسطے ہدایت کا

ذریعہ قرار دیا۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے منن الرحمٰن کے نام سے ایک عظیم الشان کتاب بھی تالیف فرمائی۔ آپ نے اس کتاب میں ایک جگہ فرمایا:

”وَتَفْصيلُ ذٰلِكَ أَنَّهُ صَرفَ قَلْبِي إِلَى تَحْقيقِ الأَلْسنَةِ، وَأَعَانَ نَظَري فِي تَنْقيدِ اللُّغَاتِ المُتَفرِّقَةِ، وَعَلَّمَني أَنَّ العَرَبِيَّةَ أُمّها، وَجامِع كَيْفِها وَكمِّها، وَأَنَّهَا لِسانٌ أصليٌّ لِنَوْعِ الإِنْسانِ، وَلُغَةٌ إِلْهاميَّةٌ مِنْ حَضْرَةِ الرَّحْمٰنِ، وَتَتِمَّة لِخِلْقَةِ البَشَرِ مِنْ أَحْسَنِ الْخالِقينَ.“ (مِنَن الرحمٰن، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۱۶۶)

”اور اس مجمل کی تفصیل یہ ہے کہ اس (اللہ تعالیٰ) نے زبانوں کی تحقیق کی طرف میرے دل کو پھیر دیا، اور میری نظر کی متفرق زبانوں کے پرکھنے کے لئے مدد کی۔ اور مجھ کو سکھلایا کہ عربی تمام زبانوں کی ماں ہے اور ان کی کیفیت کمیت کی جامع ہے اور وہ نوع انسان کے لئے ایک اصلی زبان اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک الہامی لغت ہے اور انسانی پیدائش کا تتمہ ہے جو احسن الخالقین نے ظاہر کیا ہے۔“ (ترجمہ از منن الرحمن)

یہی نہیں بلکہ آپ نے دیگر نشانات و معجزات کے علاوہ یہ بھی ذکر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی خاص منت وعطا سے آپ کو اعلیٰ درجہ کی فصیح وبلیغ عربی زبان سیکھنے کا معجزہ عطا ہوا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس دعویٰ کے اعلان کے بعد اس کے ثبوت کے طور پر عربی زبان میں ۲۲ کتب تحریر فرمائیں جو تا قیامت اس معجزے کی حقانیت اور آپ کی صداقت کے زندہ ثبوت کے طور پر محفوظ رہیں گی۔ ان عربی کتب میں ایک کتاب کانام خطبہ الہامیہ ہے جس میں اعلیٰ درجہ کی فصیح وبلیغ اور مسجع ومقفیٰ عربی عبارات سے معمور اور اعلیٰ روحانی نکات اور معارف ودقائق پر مشتمل ایک خطبہ بھی ہے جو آپ نے خدا تعالیٰ کے الہام سے عید الاضحی کے موقع پر فی البدیہہ ارشاد فرمایا جسے صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد نے دیکھا اور سنا اور اس عظیم الشان نشان کے گواہ بن گئے۔

ان عربی کتب کے کل صفحات ۲۲۰۰ سے زائد ہیں اوران میں موجود عربی قصائد کے کل اشعار کی تعداد ۳۵۰۰ سے زائد ہے۔

لیکن جیسا کہ انبیاء کے مخالفین کا شیوہ ہے کہ وہ یا تو انبیاء کے نشانات ومعجزات کو مشکوک بنانے کے درپے ہو جاتے ہیں یا پھر ان کا سرے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔ یہی سلوک انہوں نے سیّد الکونین خاتم النبیین ﷺ سے کیا۔ باوجود اس کے کہ آنحضرت ﷺ نے دنیا میں آنے والے ہر نبی سے زیادہ نشانات دکھائے پھر بھی مخالفین نے آپ کو بار بار یہی کہا کہ:

﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَبِّه﴾ (النعام :۳۸)،

﴿لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّه﴾ (الرعد :۲۸)،

﴿لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّه﴾ (طه :۱۳٤).

یعنی یہ کوئی نشان کیوں نہیں لے کر آتا؟ اور اس پر اس کے ربّ کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں نازل کیا جاتا؟ یہ اپنے خدا کی طرف سے کوئی نشان تو لا کے دکھائے، پھر ایمان لانے کا سوچیں گے۔ لیکن حقیقت یہی تھی اور آج تک یہی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ: ﴿وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ (الأنعام ٥).

یعنی نشانات تو آتے ہیں لیکن منکرین کا وتیرہ یہی ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشان دکھایا جاتا ہے تو یہ اس سے منہ پھیر کر فورًا انکار کر دیتے ہیں۔

بالکل ایسے ہی مخالفین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مذکورہ بالا عظیم نشان اور معجزہ کو بھی ماننے سے انکار کر دیا اور اس کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ کبھی کہا کہ اس کو تو عام عربی زبان بھی نہیں آتی کجا یہ کہ اعلیٰ درجہ کی زبان کا دعویٰ کیا جائے۔ کبھی حضور علیہ السلام کی عربی تحریرات میں سے اپنی دانست میں

صرف ونحو کی غلطیاں نکال کر تمسخر کا نشانہ بنایا۔ اور جہاں حضور علیہ السلام کی عربی سے مرعوب ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ رہا، وہاں آپ علیہ السلام کی تحریر فرمودہ مسجع ومقفیٰ عبارات کو مختلف پرانی عربی کتب سے سرقہ کرنے کا الزام لگا دیا۔

چونکہ عربی زبان کے معجزے کے بارے میں ان الزامات اور اعتراضات کا یہ سلسلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے سے ہی شروع ہو گیا تھا اس لیے آپ نے جہاں مخالفین کو بالمقابل عربی زبان میں لکھنے کا چیلنج دیا وہاں خود اپنی کتب میں مخالفین کے اعتراضات کے جواب بھی دیے۔ لیکن مخالفین وقفہ وقفہ سے وہی اعتراضات دوبارہ دہراتے رہتے ہیں اور افراد جماعت کی طرف سے مختلف اوقات میں ان تمام اعتراضات کے جوابات دیے جاتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

مخالفین کے اعتراضات پر یکجائی نظر ڈالنے سے دو باتیں بڑی شدت کے ساتھ ابھر کر سامنے آتی ہیں:

ا۔ مخالفین کے اکثر اعتراضات حضور علیہ السلام کے اس دعویٰ کو نہ سمجھنے اور اس کی حقیقت نہ جاننے کا نتیجہ ہیں۔ چنانچہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی زبان کے خداداد علم کے بارے میں دعویٰ کو آپ کی

مختلف کتب سے اکٹھا کر کے ایک جگہ مفصل طور پر درج کر دیا جائے تو اس کو ایک دفعہ پڑھنے سے ہی بہت سے اعتراضات ختم ہو جائیں گے۔

۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے زمانے میں اس دعویٰ پر اعتراض کرنے والوں کو جو جوابات دیے ہیں ان کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ آپ نے محض ایک ایک جملہ میں یا چند الفاظ میں اپنے اس دعویٰ کی مختلف جزئیات اور اس پر ہونے والے تمام اعتراضات کی کنہ، اور ان اعتراضات کے ردّ کے طریق کو بھی بیان فرما دیا ہے۔

چنانچہ اگر حضور علیہ السلام کے ان جوابات کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ ایک جگہ درج کر دیا جائے تو جہاں باقی ماندہ اعتراضات کا بھی خاتمہ ہو جائے گا وہاں حضور علیہ السلام کے دعویٰ کی شوکت، عظمت اور شان بھی نمایاں ہو کر سامنے آجائے گی۔

یہ بھی شاید خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ جس چیز کو ابھار کر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے پیچھے معترضین کو لگا دیتا ہے اور وہ بار بار اعتراض کر کے اہل ایمان کو اس بارے میں سوچنے اور تحقیق کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں نتیجۃً ان کے اس اعتراض کے مقام پر چھپے ہوئے بے شمار خزانے باہر آجاتے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ مخالفین کے اعتراضات کے نتیجے میں حضور علیہ السلام کے اس دعویٰ سے متعلق جس نقطے کے بارے میں بھی عرب وغیر عرب علمائے جماعت نے تحقیق کی اور پھر دسیوں کتب کھنگال کر جس نتیجے پر پہنچے اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تقریباً سوا سو سال پہلے محض ایک ایک دو دو جملوں میں ہی بیان فرما دیا تھا لیکن اعتراضات کے رد کی غرض سے اس بارے میں تحقیق سے قبل ہم ان مختصر جملوں کی تفصیل اور حقیقت کے ادراک سے قاصر تھے۔

یہ مضمون حضور علیہ السلام کے عربی دانی کے بارے میں دعویٰ اور دلائل اور اعتراضات کے جوابات وغیرہ کے تذکرہ کو یکجائی صورت میں پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔ واللہ ولیّ التوفیق۔

حضور علیہ السلام کا عربی زبان میں کمال حاصل کرنے کا دعویٰ

آیئے ہم حضور علیہ السلام کے اپنے اقوال سے آپ کے اس دعویٰ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک مقام پر اجمالی رنگ میں آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”إنَّ كَمَالِيْ فِيْ اللِّسَانِ الْعَرَبِيّ، مَعَ قِلَّةِ جُهْدِيْ وَقُصُورِ طَلَبِيْ، آيَةٌ وَاضِحَةٌ مِنْ رَبِّيْ، لِيُظهِرَ عَلَى النَّاسِ عِلْمِيْ وَأَدَبِيْ، فَهَلْ مِنْ مُعَارِضٍ فِيْ جُمُوعِ الْمُخَالِفِيْن؟“ (مکتوب احمد، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۴)

یعنی عربی زبان میں قلت جہد اور معمولی جستجو کے باوجود میرا کمال حاصل کرنا میرے رب کی طرف سے واضح نشان ہے، تاکہ وہ لوگوں پر میرا علم اورادب ظاہر فرمائے۔ پس مخالفین کے گروہ میں کوئی ہے جو اس امر میں میرا مقابلہ کرسکے؟

اس دعویٰ کی تفصیل حضور علیہ السلام نے مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں بیان فرمائی۔

☆...ایک جگہ فرمایا:

”وأُعْطِيتُ بَسْطَةً كَامِلَةً فِيْ الْعُلُومِ الأَدَبِيَّةِ.“ (مکتوب احمد، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۴)

مجھے عربی زبان کے علوم ادبیہ میں کامل وسعت عطا کی گئی ہے۔

☆...ایک اور مقام پر فرمایا:

”وَقَدْ فُقْتُ فِي النَّظْمِ وَالنَّثْرِ.“ (مکتوب احمد، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۵)

میں نظم ونثر میں سب پر فوقیت رکھتا ہوں۔

☆...ایک مقام پر فرمایا:

”وَمِنْ آيَاتِي أَنّه تَعَالَى وَهَبَ لِي مَلَكَةً خَارِقَةً لِلْعَادَةِ فِي اللِّسَانِ الْعَرَبِيّةِ.“ (نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۱۰۷)

میرے نشانات میں سے ایک نشان یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لسان عربی میں خارق عادت ملکہ عطا فرمایا ہے۔

☆...ایک اور مقام پر فرمایا:

”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّهُ عَلَّمَنِي لِسانًا عَرَبِيَّةً، وَأَعْطَانِي نِكاتًا أَدَبِيَّةً، وَفَضَّلَنِي عَلَى العالَمِيْنَ المُعَاصِرِيْنَ.“ (مکتوب احمد، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۷)

اس (خدا) کے نشانات میں سے ایک نشان یہ ہے کہ اس نے مجھے لسان عربی سکھائی ہے اور مجھے ادبی نکات عطا فرمائے ہیں اور مجھے میرے ہم عصر تمام علماء پر فضیلت دی ہے۔

☆...ایک اور مقام پر فرمایا:

”سَأَلْتُ اللہَ أَنْ یُکَمِّلَنِي فِي هَذِهِ اللَّهْجَةِ، وَیَجْعَلَنِيْ وَاحِدَ الدَّهْرِ فِي مَناهِجِ البَلاغَةِ. وَأَلْحَحْتُ عَلَيْهِ بِالْاِبْتِهَالِ وَالْضَّراعَةِ، وَكَثُرَ اِطِّراحِي بَيْنَ يَدَيْ حَضْرَةِ العِزَّةِ، وَتَوَالَی سُؤَالِي بِجُهْدِ العَزِيمَةِ وَصِدْقِ الهِمَّةِ وَإِخْلاصِ الْمُهْجَةِ. فَأُجيبَ الدُّعاءُ وَأوتِيْتُ مَا كُنْتُ أَشاءُ.“
(نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد۱۴ صفحہ ۱۰۸)

میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے اس عربی زبان کے لہجے میں مکمل فرمائے اور مجھے بلاغت کے راستوں کا یکتائے روزگار بنا دے......پس میری دعا قبول ہوئی اور مجھے میری من پسند مراد مل گئی۔

☆...ایک اور مقام پر فرمایا:

”وَعَلَّمَنِيْ رَبِّيْ مِنْ لَّدُنْهُ بِالْفَضْلِ والرَّحْمَةِ، فَأَصْبَحْتُ أَدِيبًا وَمِن الْمُتَفَرِّدِيْنَ.“ (نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد۱۴ صفحہ ۱۱۱)

مجھے میرے ربّ نے اپنی جناب سے اپنے فضل اور رحمت سے علم سکھایا چنانچہ میں ادیب اور یکتائے روزگار لوگوں میں سے ہو گیا۔

☆...ایک اور مقام پر فرمایا:

”جَعَلَنِي أَفْصَحَ الْمُتَكَلِّمِينَ.“ (مکتوب احمد، روحانی خزائن جلد۱۱ صفحہ ۳۴ تا ۳۵)

اللہ تعالیٰ نے مجھے افصح المتکلمین بنایا ہے۔

☆...ایک اور مقام پر اپنی عربی زبان کے بارے میں فرمایا:

”وَوَاللّٰهِ إِنَّهُ ظِلُّ فَصَاحَةِ الْقُرْآنِ، لِيَكُوْنَ آيَةً لِقَوْمٍ يَتَدَبَّرُوْنَ.“

(الاستفتاء، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۶۲۹-۶۳۰)

خدا کی قسم یہ (میری عربی تحریر) قرآن کریم کی فصاحت کا ظل ہے تا کہ تدبر کرنے والی قوم کے لیے نشان ثابت ہو۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

”ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشاء پردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے۔“ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۷)

دعویٰ کا خلاصہ

مندرجہ بالا تحریرات حضور علیہ السلام کی کتب نجم الہدیٰ، مکتوب احمد، الاستفتاء اور نزول المسیح سے لی گئی ہیں۔ ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل دس نکات پر مشتمل ہے:

۱۔ حضور علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں کمال حاصل کرنے کا واضح نشان عطا ہوا۔

۲۔ آپؑ کو عربی زبان کے علوم ادبیہ میں کامل وسعت عطا کی گئی ہے۔

۳۔ آپؑ عربی زبان کی نظم و نثر میں سب ہم عصروں پر فوقیت یافتہ ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لسان عربی میں خارق عادت ملکہ عطا فرمایا ہے۔

۵۔ آپؑ کو عربی زبان کے اپنے تمام ہم عصر علماء پر فضیلت دی گئی۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی دعا سنی اور آپ کو عربی زبان کی بلاغت کے راستوں کا یکتائے روزگار بنا دیا۔

۷۔ آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت سے عربی زبان کا علم سکھایا۔ چنانچہ آپؑ ادیب اور یکتائے روزگار لوگوں میں سے ہو گئے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو افصح المتکلمین بنایا۔

۹۔ آپؑ کی عربی تحریر قرآن کریم کی فصاحت کا ظل ہے۔

۱۰۔ آپؑ کو معجزے کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس زبان میں انشاء پردازی کی طاقت ملی ہے۔

یہی نہیں بلکہ اس زبان کے خدا داد علم کے بارے میں حضور علیہ السلام نے کچھ اور بھی دعاوی فرمائے ہیں جن کا بیان اگلے صفحات میں کیا جائے گا۔

حضور علیہ السلام کا دعویٰ وسعت علمی اور اس کی تعریف

حضور علیہ السلام کی عربی کتب میں مذکور اعلیٰ علمی دقائق ومعارف کے علاوہ، لغات ومحاوراتِ عرب، ادبی نکات اور تراکیب واسالیب وغیرہ آپ کے خدا تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں کامل وسعت علمی عطا ہونے کی ایک جھلک ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اس قدر تصانیف عربیہ جو مضامین دقیقہ علمیہ حکمیہ پر مشتمل ہیں بغیر کامل وسعت علمی کے کیونکر انسان ان کو انجام دے سکتا ہے۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن، جلد ۱۸ صفحہ ۴۴۰)

اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی تحریرات وسعت علمی کی عکاس ہیں اور آپ علیہ السلام کی عربی زبان کی حقیقت جاننے کے لیے گہرے علمی ذوق اور بہت ساری کتب کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

کامل وسعت علمی کیا ہے؟

آپ علیہ السلام نے خود ہی اس کی تعریف فرمائی ہوئی ہے۔ فرمایا:

''جب تک (۱) زبان عرب میں پورا پورا توغل نہ ہو اور (۲) جاہلیت کے تمام اشعار نظر سے نہ گذر جائیں اور (۳) کتب قدیمہ مبسوطہ لغت جو

محاورات عرب پر مشتمل ہیں غور سے نہ پڑھے جائیں اور وسعت علمی کا دائرہ کمال تک نہ پہنچ جائے، تب تک عربی محاورات کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا اور نہ اُن کی صرف اور نحو کا باستیفاء علم ہو سکتا ہے۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۶)

چنانچہ اگر کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان کو سمجھنا ہے اور اس پر تحقیق کرنی ہے یا کسی کو اعتراض کرنے کا شوق ہے تو اسے ان تمام امور کا علم حاصل کرنا ہو گا ورنہ اس کا اعتراض خود اس کی جہالت پر دلالت کرے گا۔ اگلے صفحات کا مطالعہ اس دعویٰ کی صداقت کا یقین دلانے کے لیے کافی ہو گا۔

اگر کوئی اتنا علم حاصل کر لے گا تو اسے لغات ولہجاتِ عرب سے واقفیت ہو جائے گی اور خود بخود اس کے اعتراضات کا جواب مل جائے گا۔ لیکن اگر کسی کو لغاتِ عرب کا دقیق علم ہی نہیں یا مختلف محاوروں اور استعمالات کا پتہ نہیں تو ایسے شخص کا اعتراض خود اس کی جہالت کی دلیل ہو گا۔

عربی زبان پر ہر یک پہلو سے قدرت معجزاتِ انبیاء سے ہے

کامل وسعتِ علمی کے حصول کے لیے جن ضروری امور کا ذکر حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ شاید بعض لوگ ذاتی کوشش سے ان تمام

مراحل کو طے بھی کرلیں لیکن اس کا پورا احاطہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ عربی زبان پر پُورا احاطہ کرنا معجزات انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ اس بارے میں حضور علیہ السلام نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول درج فرمایا ہے جو ایک پیشگوئی کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے۔ فرمایا:

''لغتِ عرب جو صرف نحو کی اصل کنجی ہے وہ ایک ایسا ناپیدا کنار دریا ہے جو اس کی نسبت امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا نَبِيٌّ یعنی اس زبان کو اور اس کے انواع اقسام کے محاورات کو بجز نبی کے اور کوئی شخص کامل طور پر معلوم ہی نہیں کر سکتا۔ اس قول سے بھی ثابت ہوا کہ اس زبان پر ہر یک پہلو سے قدرت حاصل کرنا ہر ایک کا کام نہیں بلکہ اس پر پُورا احاطہ کرنا معجزات انبیاء علیہم السلام سے ہے۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۷)

گویا ایک طرف تو امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس زبان کا کامل احاطہ نبی ہی کر سکتا ہے اور دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام اعلان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ معجزہ عطا فرمایا ہے۔ سو اس زمانے میں کامل احاطہ ایک شخص نے ہی کرنا تھا اور وہ اس زمانے کے امام کے حصے میں آیا جسے اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا۔

عربی لغات کے علم کا دعویٰ

☆...علاوہ ازیں حضور علیہ السلام نے عربی زبان کے بارے میں ایک اور منفرد اور عظیم الشان دعوی فرمایا ہے کہ:

''عُلِّمْتُ أَرْبَعِيْنَ أَلْفًا مِنَ اللُّغَاتِ العَرَبِيَّةِ.'' (مکتوب احمد، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۴)

یعنی مجھے چالیس ہزار عربی لغات سکھائے گئے ہیں۔

اس فقرہ کی تشریح اور وضاحت کی بہت ضرورت ہے۔ عربی لغت کی عام معروف کتاب المنجد میں لکھا ہے کہ لغت کا لفظ ہر قوم میں معروف کلام پر بولا جاتا ہے۔ اور علم اللغہ، عربی کے علوم کی تمام اقسام پر بھی بولا جاتا ہے۔ (المنجد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قول:

''عُلِّمْتُ أَرْبَعِينَ أَلْفًا مِنَ اللُّغَاتِ العَرَبِيَّةِ.''

کا ترجمہ عموماً چالیس ہزار مادے کیا جاتا ہے جو درست ہے۔ لیکن کیا اس سے صرف یہی مراد ہے؟ اگر اس فقرہ کو اس کے سیاق میں پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اور بہت کچھ ہے۔ اصل نص کچھ یوں ہے:

''إنَّ كَمَالِيْ فِيْ اللِّسَانِ الْعَرَبِيّ، مَعَ قِلَّةِ جُهْدِيْ وَقُصُورِ طَلَبِيْ، آيَةٌ وَاضِحَةٌ مِنْ رَبِّيْ، لِيُظهِرَ عَلَى النَّاسِ عِلْمِيْ وَأَدَبِيْ، فَهَلْ مِنْ مُعَارِضٍ

فِيْ جُمُوعِ الْمُخَالِفِيْن؟ وَإِنِّي مَعَ ذٰلِكَ عُلِّمتُ أَرْبَعِيْنَ أَلْفًا مِنَ اللُّغَاتِ الْعَرَبِيَّةِ، وَأُعْطِيْتُ بَسْطَةً كَامِلَةً فِيْ الْعُلُومِ الأَدَبِيَّة.'' (مکتوب احمد، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۴)

قلت جہد اور معمولی جستجو کے باوجود عربی زبان میں میرا کمال میرے رب کی طرف سے ایک واضح نشان ہے تا کہ وہ خدا لوگوں پر میرا علم اورادب ظاہر فرمائے۔ پس مخالفین کے گروہ میں کوئی ہے جو اس امر میں میرے ساتھ مقابلہ کر سکے؟ اور اس معمولی کوشش کے باوجود مجھے چالیس ہزار عربی لغات سکھائے گئے ہیں اور مجھے علوم ادبیہ میں کامل وسعت عطا کی گئی ہے۔

چالیس ہزار عربی لغات سے مراد اگر محض چالیس ہزار مادے سمجھا جائے تو یہ کامل وسعت علمی کا ہی حصہ سمجھا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ چالیس ہزار لغات سے مراد کچھ اور بھی ہے جسے سمجھنے کیلئے ہمیں لغات عربیہ کے بارے میں مزید جاننے کی ضرورت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ لغات کیا ہیں؟

یہ لغات، مختلف الفاظ، مفردات، تراکیب و محاورات اور اسالیب واستعمالاتِ عرب ہیں جو مختلف قبائل عرب میں مختلف اشکال میں استعمال ہوتے تھے۔ کبھی

ان لغات میں اختلاف، قبائل کے لہجوں میں ان الفاظ کی مختلف حرکات سے ہوتا تھا، تو کبھی قلبِ حروف سے۔ کبھی کوئی قبیلہ بعض حروف کا اضافہ کرکے مختلف کلمات بنالیتا تھا تو کبھی تذکیر و تانیث میں اختلاف کی وجہ سے مختلف لغات تشکیل پاتی تھیں۔ کبھی بعض حروف کو قریبی حرف میں مدغم کرنے سے مختلف لغات جنم لیتی تھیں تو کبھی ایک ہی لفظ کو متضاد معانی میں استعمال کرنے سے نئی لغت بن جاتی تھی۔ علاوہ ازیں مختلف استعمالات وتراکیب ومحاورے بھی ان لغات کا حصہ ہیں جو ایک ہی صورت حال کے بیان کے لیے مختلف قبائل کے ہاں مختلف صورتوں میں رائج تھے۔ ان کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

ایسے لغات العرب میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چالیس ہزار الفاظ وتراکیب واستعمالات واسالیب ومحاورے وغیرہ سکھائے گئے۔

☆...لغات کے ان مذکورہ بالا معانی کی توثیق خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

فَاعْلَمْ أَنَّ وَفاةَ عِيسَى ثابتٌ بِالْآيَاتِ الَّتِيْ هِيَ قَطْعِيَّةُ الدَّلالَةِ، لِأَنَّ القُرْآنَ مَا اسْتَعْمَلَ لَفْظَ التَّوَفِّي إِلَّا لِلْإِمَاتَةِ وَالْإِهْلَاكِ، وَصَدَّقَ ذٰلِكَ المَعْنَى رَسولُ اللهِ وَشَهِدَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنَ الصَّحابَةِ الَّذِي كَانَ أَعْلَمُ بِلُغَاتِ قَوْمِهِ. (حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۳۱۱)

یعنی جان لے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قطعیۃ الدلالت آیات سے ثابت ہے کیونکہ قرآن نے لفظ توفی کو صرف موت دینے اور ہلاک کرنے کے معانی میں ہی استعمال کیا ہے۔ اور ان معنوں کی رسول اللہ ﷺ نے بھی تصدیق فرمائی ہے اور اس پر صحابہ میں سے ایک ایسے شخص نے شہادت بھی دی ہے جو اپنی قوم کی لغات کا سب سے زیادہ علم رکھتا تھا۔

یعنی اس کو الفاظ کے مختلف استعمالات اور محاورات واسالیب ومعانی کا زیادہ علم تھا کہ توفی کا لفظ جب اس طرح کے استعمال میں آئے تو اس کا معنی سوائے موت کے اور کچھ نہیں۔ ایسے استعمالات یا اسالیب کو بھی لغات کہا گیا ہے۔

☆...لغات کی مزید وضاحت کے لیے ذیل میں ہم لغت کی بعض کتب سے چند امور پیش کرتے ہیں۔

لغت کی کتاب (اَلْمُزْهِرُ) میں لکھا ہے:

”قَالَ الفَرّاءُ: كَانَت العَرَبُ تَحْضُرُ المَوْسِمَ فِي كُلِّ عَام، وَتَحُجُّ البَيْتَ فِي الجَاهِلِيَّةِ، وَقُرَيْشٌ يَسْمَعُونَ لُغَات العَرَب، فَمَا اسْتَحْسَنُوهُ مِنْ لُغَاتِهِمْ تَكَلَّمُوا بِهِ؛ فَصَارُوا أَفْصَحَ العَرَب.“ (اَلْمُزْهِرُ، اَلنَّوْعُ الْحَادِي عَشَرَ: مَعْرِفَةُ الرَّدِيءِ المَذْمومِ مِنْ اللُّغَاتِ)

الفراء کہتے ہیں کہ عرب لوگ زمانۂ جاہلیت میں ہر سال حج کے ایام میں اکٹھے ہوتے اور حج بیت اللہ کرتے۔ اور قریش (جو مکہ میں رہتے تھے وہ عربوں کے اس اجتماع کی بدولت) مختلف لغات عرب کو سنتے اور پھر ان کی زبانوں میں سے جو جو (محاورہ، استعمال، ترکیب یا لفظ وغیرہ) انہیں اچھا لگتا اسے خود بھی بولنے لگتے۔ اس طرح قریش افصح العرب ہو گئے۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ لغات عرب سے مراد مختلف استعمالات اور محاورے وغیرہ بھی ہیں جو مختلف قبائل میں مختلف تھے یا بعض قبائل میں زیادہ اور بعض میں کم تھے۔ لیکن چونکہ حج کی غرض سے سب عرب قریش کے پاس مکہ میں آتے تھے اس لیے قریش نے سب کی زبان سن سن کر اس میں سے اچھے اچھے محاورے اور استعمالات اپنی زبان میں جمع کر لیے تھے، اس لیے قریش افصح العرب کہلائے۔

☆ ...مزید وضاحت کے لیے لسان العرب کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"نَزَلَ القُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ كُلُّها شَافٍ كَافٍ، أَرَادَ بِالْحَرْفِ اللُّغَةَ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ وَأَبُو العَبّاسِ: نَزَلَ عَلَى سَبْعِ لُغاتٍ مِنْ لُغاتِ العَرَبِ." (لِسانُ العَرَبِ، تَحْتَ كَلِمَةِ "حَرْف")

یعنی قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک شافی اور کافی ہے۔ اس قول میں نبی کریم ﷺ نے حرف سے مراد لغت

لی ہے۔ اس لیے ابو عبید اور ابو العباس نے کہا ہے کہ قرآن عربوں کی لغات میں سے سات لغات میں نازل ہوا۔

☆...حافظ ابن جریر طبریؒ کہتے ہیں 'احرف سبعہ' سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں۔ (تَفْسير ابْن جَرير، القَوْلُ فِي اللُّغَةِ الَّتِي نَزَلَ بِهَا القُرْآنُ مِنْ لُغاتِ العَرَبِ)

سات لغات سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ سات بالکل مختلف زبانیں تھیں بلکہ یہ سات قبائل ایسے تھے جن کی عربی زبان میں بعض مقامات پر استعمال ہونے والے الفاظ ومحاورات واستعمالات وغیرہ میں اختلاف تھا۔ اور یہی وہ امر ہے جسے لغات عرب کا نام دیا گیا ہے۔

☆...لغات کی مزید وضاحت کے لیے لسان العرب کی یہ تحریر ملاحظہ ہو جس میں ابن منظور مؤلف لسان العرب، لیث کا قول درج کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''وَيَكُونُ أَمْ بِمَعْنَى بَلْ، وَيَكُونُ أَمْ بِمَعْنَى أَلف الِاسْتِفْهامِ كَقَوْلِكَ: أَمْ عِنْدَكَ غَداءٌ حاضِرٌ؟ وَأَنْتَ تُرِيدُ: أَعِنْدَكَ غَداءٌ حاضِرٌ؟ وَهِيَ لُغَةٌ حَسَنَةٌ مِنْ لُغاتِ العَرَبِ.'' (لِسانُ العَرَبِ حَرْفُ المِيمِ تَحْتَ كَلِمَةِ ''أمم'')

یعنی أمْ کبھی بَلْ کے معنوں میں آتا ہے اور أمْ کبھی استفہام والے الف (أ) کے معنے میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ أَمْ عِنْدك غَداءٌ

حاضِرٌ؟ اور اس سے مراد ہوتا ہے أَعِندَك غداء حاضِرٌ؟ اور یہ لغات عرب میں سے ایک اچھی لغت ہے۔

یہاں محض ایک لفظ کے عام مشہور مفہوم سے ہٹ کر ایک اور مفہوم میں استعمال کو ایک علیحدہ لغت قرار دیا گیا ہے۔

☆...لسان العرب کی یہ عبارت بھی ہمارے اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہے:

''وَطه قَالَ: وَقَوْلُ الشّافِعِيِّ نَفْسُهُ حُجَّةٌ لِأَنَّهُ – رَضِيَ اللهُ عَنْهُ – عَرَبِيّ اللِّسانِ فَصيحُ اللَّهْجَةِ. قَالَ: وَقَدْ اعْتَرَضَ عَلَيْهِ بَعْضُ الْمُتَحَذْلِقِينَ فَخَطَّأَهُ وَقَدْ عَجلَ وَلَمْ يَتَثَبَّتْ فِيمَا قَالَ. وَلَا يَجُوزُ لِلْحَضَرِيِّ أَنْ يعجلَ إِلَى إِنْكارِ مَا لَا يَعْرِفُهُ مِنْ لُغاتِ العَرَب.'' (لِسانُ العَرَبِ، حَرْفُ اللّامِ، تَحْتَ كَلِمَةِ ''عول'')

یعنی طٰہٰ نے کہا کہ شافعی کا قول تو بذات خود حجت ہے کیونکہ شافعی رضی اللہ عنہ عربی اللسان اور فصیح اللہجہ ہیں۔ ایک جلد باز نیم عالم نے آپ پر اعتراض کرتے ہوئے آپ کے کلام میں بغیر ثبوت اور توثیق کے غلطی نکالی حالانکہ شہر میں رہنے والے کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر ایسی لغات عرب کا انکار کر دے جسے وہ نہیں جانتا۔

اس قول سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ لغات عرب کا مضمون بہت وسیع ہے اور ذاتی کوشش سے اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے کیونکہ تمام عربی لغات محفوظ نہیں رہیں۔ اس لیے محض عدم علم کی بنا پر کسی لفظ یا محاورے یا استعمال وغیرہ کو غلط کہنا جہالت ہے۔

☆... قرآن کریم تو سات قبائل کی لغات یعنی سبعۃ أحرف میں نازل کیا گیا۔ لیکن کیا رسول اللہ ﷺ نے بھی دیگر لغات عرب کو استعمال کیا؟

اس سلسلہ میں لسان العرب میں آنے والی ایک روایت ملاحظہ ہو:

”وَرَدَ فِي حَدِيثِ عائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: اسْتَأْذَنَت النَّبِيَّ فِي دُخول أَبي الْقُعَيْس عَلَيْهَا، فَقَالَ: اِئْذِني لَهُ فَإِنَّهُ عَمُّج. فَإِنَّهُ يُرِيدُ: عَمُّكِ مِنْ الرَّضاعَةِ. فَأَبْدَلَ كَاف الخِطاب جيمًا، وَهِيَ لُغَةُ قَوْم مِنْ اليَمَن. قَالَ الخَطّابِيُّ: إِنَّمَا جَاءَ هَذَا مِنْ بَعْض النَّقلَةِ، فَإِنَّ رَسولَ الله كَانَ لَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا باللُّغَةِ العالِيَةِ. قَالَ ابْنُ الأَثِير: وَلَيْسَ كَذَلِكَ، فَإِنَّهُ قَدْ تَكَلَّمَ بكَثِير مِنْ لُغاتِ العَرَب، مِنْهَا قَوْلُهُ: لَيْسَ مِن امْبرِّ امْصِيَام فِي امْسَفَر، وَغَيْر ذَلِكَ.“ (لِسانُ العَرَب، حَرْفُ المِيم، تَحْتَ كَلِمَةِ ”عمم“)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ابو قعیس کے اپنے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اسے آنے دیں کیونکہ وہ آپ کا رضاعی چچا ہے۔ آپ نے عَمُّكِ کی

بجائے عَمُّجِ فرمایا یعنی کاف کو جیم سے بدل دیا جو کہ یمن کی ایک قوم کی لغت ہے۔ خطابی نے کہا کہ یہ بات صرف بعض راویوں نے نقل کر دی (اور اس میں کوئی حقیقت نہیں) کیونکہ نبی کریم (ﷺ) تو صرف اعلیٰ وافصح زبان ہی بولتے تھے۔ ابن اثیر نے کہا کہ (خطابی کی) یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ نبی کریم (ﷺ) نے بہت سی لغاتِ عرب میں کلام فرمایا ہے، ان میں سے آپ کا یہ قول بھی ہے کہ:

لَيْسَ مِنَ امْبرّ امْصِيامُ في امْسَفَر وغیرہ جو اصل میں: لَيْسَ مِنَ البرّ الصِيامُ في السَفَرِ ہے۔ یعنی سفر میں روزہ رکھنا اعلیٰ درجہ کی نیکی نہیں ہے۔

اس جملے میں تین الفاظ میں لام کو میم سے بدل دیا گیا ہے اس لیے اس کی یہ صورت بن گئی ہے۔ اور یہ لغات عرب میں سے ایک لغت ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر کبیر میں قرآن کریم کی مختلف قراءات اور جمع قرآن کے مضمون پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے لغاتِ عرب کے اس فرق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ آپ کی اس تحریر کے بعض حصے ذیل میں پیش ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''بعض زبانوں کے فرق کی وجہ سے یا بعض مضامین کو نمایاں کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سبعۃ احرف پر نازل کیا ہے یعنی اس کی سات

قرأتیں ہیں۔ ان قرأتوں کی وجہ سے یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ قرآنِ کریم میں کوئی اختلاف ہے بلکہ اسے زبانوں کے فرق کا ایک طبعی نتیجہ سمجھنا چاہیئے.....رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں چونکہ عرب کی آبادی کم تھی قبائل ایک دوسرے سے دور دور رہتے تھے اس لئے ان کے لہجوں اور تلفظ میں بہت فرق ہوتا تھا۔ زبان ایک ہی تھی مگر بعض الفاظ کا تلفظ مختلف ہوتا تھا اور بعض دفعہ ایک معنی کے لئے ایک قبیلہ میں ایک لفظ بولا جاتا تھا دوسرے قبیلہ میں دوسرا لفظ بولا جاتا تھا۔ ان حالات میں رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالی نے اجازت دے دی کہ فلاں فلاں الفاظ جو مختلف قبائل کے لوگوں کی زبان پر نہیں چڑھتے۔ ان کی جگہ فلاں فلاں الفاظ وہ استعمال کر لیا کریں.....پس مضمون تو وہی رہا صرف بعض الفاظ یا بعض محاورات جو ایک قوم میں استعمال ہوتے تھے اور دوسری قوم میں نہیں اللہ تعالی نے ان الفاظ یا ان محاورات کی جگہ ان کی زبان کے الفاظ یا اپنی زبان کے محاورات انہیں بتا دیئے تا کہ قرآن کریم کے مضامین کی حفاظت ہو سکے اور زبان کے فرق کی وجہ سے اس کی کسی بات کو سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل نہ ہو جائے..... یہ اجازت محض وقتی طور پر تھی اور اس ضروت کے ماتحت تھی کہ ابتدائی زمانہ تھا قومیں متفرق تھیں اور زبان کے معمولی فرق کی وجہ سے

الفاظ کے معنی بھی تبدیل ہو جاتے تھے اس نقص کی وجہ سے عارضی طور پر بعض الفاظ کو جو ان قبائل میں رائج تھے اصل وحی کے بدل کے طور پر خدا تعالیٰ کی وحی کے مطابق پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی تا کہ قرآن کریم کے احکام کے سمجھنے اور اس کی تعلیم سے روشناس ہونے میں کسی قسم کی روک حائل نہ ہو اور ہر زبان والا اپنی زبان کے محاورات میں اس کے احکام کو سمجھ سکے اور اپنے لہجہ کے مطابق پڑھ سکے۔'' (تفسیر کبیر جلد 9 ص 47 تا 50)

لغات عرب میں اختلاف کی صورتیں اور اس کے اسباب

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ عربوں کی بے شمار لغات ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اختلافِ لغات کے آخر اسباب کیا ہیں؟ گو بادی النظر میں یہ حصہ ہمارے مضمون سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا لیکن ان اسباب کو جاننے کے بعد پتہ چلے گا کہ ان سے ہمارے مضمون کے بہت سے مخفی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی کچھ وضاحت کر دی جائے۔

اختلافِ لغات کے اسباب کے بارے میں لسان العرب اور دیگر لغت کی کتب میں مختلف بیانات موجود ہیں۔

اختلافِ لغات کے اسباب میں سرفہرست مختلف قبائل کا ایک ہی بات کو بیان کرنے کے لیے مختلف الفاظ وتراکیب استعمال کرنا ہے۔ اس اختلاف کے اسباب کے بارے میں محققین نے بہت کچھ لکھا ہے اور اس کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں۔ ابن فارس نے اپنی کتاب فقہ اللغہ میں لغات عرب کے اختلاف کے اسباب ووجوہات کا ذکر کیا ہے جسے علامہ سیوطی نے اپنی کتاب المزھر میں درج کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔ ایک وجہ حرکات (یعنی زیر زبر پیش اور جزم وغیرہ) کا اختلاف ہے۔ مثلاً قریش نَسْتَعِیْن نون کی زبر کے ساتھ پڑھتے تھے جبکہ قبیلہ اسد وغیرہ میں اسے نون کی زیر کے ساتھ نِسْتَعِیْن پڑھا جاتا تھا۔

☆...اسی طرح بعض قبائل میں مَعَکم کو مَعْکم یعنی عین کی جزم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

اب یہ محض ایک حرف کی حرکت کی تبدیلی سے مختلف لغت بن جاتی ہے۔

☆...اسی طرح بعض قبائل کے ہاں أَنَّ زَیْدًا کو عنّ زیدًا لکھا یا پڑھا جاتا ہے۔ بظاہر أَنَّ کو عَنَّ سے بدلنا بہت بڑا اختلاف ہے لیکن یہ موجود ہے اور جسے عربی لغات کا علم دیا گیا ہے اس کے کلام میں اگر ایسے استعمال کا کہیں نہ کہیں اظہار ہو گا تو ان امور سے جاہل شخص ضرور اسے غلطی قرار دے گا حالانکہ یہ استعمال لغات عرب میں سے ہیں اور درست لغت ہے۔

☆...اسی طرح بعض قبائل بعض حروف کو تبدیل کر کے استعمال کرتے تھے مثلاً أولئِكَ کو بعض أُولالِكَ یعنی ھمزہ کو لام سے بدل کر پڑھتے تھے۔ لغات عرب کے علم سے بے بہرہ شخص اس استعمال پر نقطہ چینی کرے گا جو اس کی جہالت کا ثبوت ہو گا۔

۲۔ ان اسباب میں سے ایک، ہمزہ ظاہرہ کو تخفیف کے ساتھ لکھنا یا پڑھنا ہے۔ مثلاً بعض کے ہاں مُسْتهزئون کو مُسْتهزُوْن لکھا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

۳۔ ان اسباب میں سے ایک سبب بعض حروف کی تقدیم و تاخیر ہے۔ مثلاً بعض لفظ صاعِقة کو صاقِعةٌ پڑھتے یا لکھتے ہیں۔

۴۔ ان اسباب میں ایک سبب حذف واثبات بھی ہے مثلاً بعض اسْتَحْيَيْتُ میں دو یاء کو قائم رکھتے ہیں اور بعض ایک یاء حذف کر کے اسْتَحَيْتُ لکھنا یا پڑھنا کافی سمجھتے ہیں۔

۵۔ ان اسباب میں سے ایک سبب تذکیر و تانیث میں اختلاف بھی ہے۔ بعض عرب هَذِهِ الْبَقَر، اور هَذِهِ النَّخْل، کہتے ہیں اور بعض: هذا الْبَقَر، اور هذا النَّخْل کہتے ہیں۔ اب عام فہم قواعد کو جاننے والا اور لغات عرب کے علم سے بے بہرہ شخص مذکر کے لیے هَذِهِ اور مؤنث کے لیے هذا کے استعمال

پر ضرور اعتراض کرے گا اور اسے غلط کہے گا۔ لیکن جس کا لغات عرب کا خداداد علم پانے کا دعویٰ ہے اس کے کلام میں ان لغات کی جھلک نظر آئے گی اور اس پر اعتراض کرنے والا اپنی جہالت کا ثبوت دے رہا ہو گا۔

٦۔ اسی طرح ایک وجہ ادغام ہے۔ مثلاً بعض مُهتَدون کو مُهَدُّون لکھتے ہیں یعنی تاء اور دال کے ادغام کے ساتھ۔ یہ بھی لغات عرب میں سے ایک لغت ہے۔

٧۔ ایک وجہ اعراب کا اختلاف ہے۔ مثلاً بعض مَا زيدٌ قائمًا کو مَا زيدٌ قائمٌ لکھتے ہیں اور بعض إنَّ هذَين کو إنّ هذان لکھتے ہیں۔ اور یہ بنی حارث بن کعب کی لغت ہے۔

٨۔ ایک وجہ یہ ہے کہ کسی لفظ کے آخر پر گول تاء آئے تو اس پر وقف کرتے ہوئے بعض اسے ہاء پڑھتے ہیں اور بعض اسے تاء ہی پڑھتے ہیں مثلاً بعض هَذِهِ أُمَّة کو وقف کی صورت میں هَذِهِ أُمَّهْ پڑھتے ہیں اور بعض اسے هَذِهِ أُمَّتْ پڑھتے ہیں۔ اور یہ دونوں الگ الگ لغات ہیں۔

٩۔ یہ تمام لغاتِ عرب ان لوگوں یا قبائل کے نام سے منسوب ہیں جو انہیں استعمال کرتے تھے۔ گو یہ لغات مختلف اقوام وقبائل کی تھیں اور دیگر قبائل ان کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ تاہم جب یہ لوگوں میں کثرت سے پھیل گئیں تو پھر ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہونا شروع ہو گئیں۔

۱۰۔ ان اسباب میں سے ایک بڑا سبب مختلف کلمات کے متضاد معانی اخذ کرنے کا ہے۔

مثلاً حِمیَر قبیلہ کی زبان میں ثَبْ کا مطلب ہے بیٹھ جا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ عامر بن طفیل رسول کریم ﷺ کے پاس آئے تو ذکر ہے کہ فَوَثَّبَهُ وِسادة یعنی آپ ﷺ نے ان کے لیے تکیہ وغیرہ لگا کر بیٹھنے کی جگہ تیار کی اور انہیں اس پر بٹھایا۔ اسی لیے حمیر قبیلہ کی لغت میں الوِثَاب چٹائی وغیرہ کو کہتے ہیں جسے بچھا کر اس پر لوگ بیٹھتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس بعض دوسرے قبائل میں یہ لفظ چھلانگ لگانے کے معنے میں استعمال ہوتا تھا۔

زید بن عبد اللہ بن دارم کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حمیر کے ایک بادشاہ سے ملنے کے لیے گیا جبکہ وہ ایک پہاڑ پر قیام پذیر تھا۔ بادشاہ نے اسے کہا ثَبْ یعنی بیٹھ جا۔ جبکہ زید نے یہ سمجھا کہ بادشاہ اسے پہاڑ سے چھلانگ لگانے کا کہہ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا کہ اے بادشاہ تو مجھے اطاعت گزاروں میں پائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے پہاڑ سے چھلانگ لگا دی اور ہلاک ہو گیا۔ (تلخیص از المزهر للسيوطی النوع السادس عشر، معرفة مختلف اللغة)

لغات عرب کی وضاحت کی اہمیت اور اس کے نتائج

علامہ سیوطی نے المزھر میں اختلاف لغات کے فوائد کے بیان میں ابن جنّی کا یہ قول نقل کیا ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے:

''اللُّغَاتُ عَلَى اخْتِلافِها كُلّها حُجَّةٌ.''

یعنی اختلاف کے باوجود تمام تر لغات حجت ہیں۔

نیز علماء کا اقرار ہے کہ تمام تر لغات جمع ہی نہیں ہوئیں اور جو جمع ہو سکی ہیں وہ تعداد میں بہت کم ہیں۔

اب چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ چالیس ہزار لغات عرب کے سکھائے جانے کا ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان میں بعض ایسی لغات بھی شامل ہوں جو جمع نہیں ہوئیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں آنے والے بعض اسالیب یا کلمات یا لغات کو اگر کوئی اپنی دانست میں غیر معروف پا کر ان پر اعتراض کرے گا تو یہ بات اس کی اپنی جہالت کا ثبوت ہو گی۔

☆...لغات عرب کے موضوع کی اس وضاحت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں آنے والے بہت سے ایسے کلمات فصیح اور

لغات عرب میں سے قرار پاتے ہیں جنہیں بادی النظر میں سہو یا خطا سمجھا جاتا ہے۔

☆...جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں اس طرح کی مثالیں آتی ہیں تو ہم جواز کے طور پر لکھتے ہیں کہ یہ فلاں قبیلہ کی لغت ہے اس لیے درست ہے۔ یہ ایک دفاعی مؤقف ہے، لیکن اگر حضور علیہ السلام کے دعویٰ میں یہ بات واضح طور پر بیان کر دی جائے کہ ان تمام لغات کا حضور علیہ السلام کو علم دیا گیا تھا اور اس کا ظہور آپ کے کلام میں فلاں فلاں مقام پر ہوا ہے، تو یہ بات آپ علیہ السلام کے خداداد علم کا ثبوت اور آپ کی کامل وسعت علمی اور عظمت کی دلیل بن جاتی ہے۔

مثلاً ہمزہ کی تخفیف اور اسے یاء سے بدلنا جیسے بریئون کی بجائے بریّون۔ اور بئر کی بجائے بیر وغیرہ لکھنے کی مثالیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں بہت زیادہ ہیں اور لغاتِ عرب سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فصیح لغت ہے۔

اسی طرح الفاظ کو ان کے معنوں پر حمل کرتے ہوئے تذکیر وتانیث لانے کی مثالیں بھی حضور علیہ السلام کے کلام میں بہت زیادہ ہیں۔ جیسے آپؑ نے عربوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی کتاب التبلیغ میں تحریر فرمایا ہے کہ ’’یَا أَھْلَ أَرْضِ النُّبوَّۃِ وَجیرانَ بَیْتِ اللہِ العُظْمَی۔‘‘

اس میں حضورؑ بیت کی صفت عظیم کی بجائے عظمی لاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بیت اللہ سے آپ کی مراد الکعبة ہے جو مؤنث ہے۔

اسی طرح ''وَأَمَّا الآفَاتُ الرّوحانيَّةُ فَيُهْلِكُ الجِسْمَ والرّوحَ والْإيمانَ مَعًا۔'' (الاستفتاء) میں الآفَاتُ کو جو کہ مؤنث ہے المرض پر محمول کر کے يُهلك یعنی مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے۔

اور ''وَإِنَّ القِصَصَ لَا تَجْرِي النَّسْخُ عَلَيْهَا كَمَا أَنْتُمْ تُقِرُّوْنَ۔'' (الخطبة الإلهامية) میں النسخ مذکر ہے لیکن اس کو عملية النَّسْخ یا قاعدة النَّسْخ پر محمول کر کے مؤنث کا صیغہ لایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

☆...مذکورہ بالا اسباب اختلافِ لغاتِ عرب کو پڑھیں تو ان میں سے ایک سبب، بعض حروف کی تقدیم وتاخیر ہے۔ مثلاً بعض عرب صاعِقة کو صاقِعةٌ پڑھتے یا لکھتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب (حجۃ اللہ) کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''وَلَا رَيْبَ أَنَّهُمْ هُم العِلَلُ الموجِبَةُ لِفِتْنَتِهِ، وَمَنْبتُ شُعْبَتِهِ، وَجرْمُوثَةُ شذْبَتِهِ۔''

اگر عربوں کی ایک لغت حروف کی تقدیم وتاخیر سے صاعِقة سے صاقِعةٌ بن جاتی ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے خیال کیا جا سکتا ہے کہ ایسی

ہی کسی لغت کے تحت یہاں جرثومة سے جرْمُوثَة بننا بھی ممکن ہے۔ جو کہ غلطی یا سہو کتابت نہیں ہے بلکہ ایک درست لغت کا استعمال ہو سکتا ہے۔

☆... قلبِ حروف میں بعض قبائل مختلف کلمات میں (ہ) کو (ح) سے اور اس کے برعکس بدل دیتے تھے۔ مثلاً لغت کی کتاب المخصص میں ہے کہ بعض كَدَحَهُ کو كَدَهَهُ، اور يَهْتَبِش کو يَحْتَبِش، الخَفيف کو الهَفيف، اور أَهَمَّني الأمر کو أَحَمَّني الأمر، قَمَحَ البعيرُ کو قَمَهَ، طَحَره کو طَهَرَه، اور مَدَحَه کو مَدَهَه بھی پڑھتے ہیں۔ مزید لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے عمار کو فرمایا: وَيْهَكَ ابنَ سُمَيَّة جبکہ اصل میں وَيْحكَ ہونا چاہیے تھا۔ اگر یہ حدیث کہیں محفوظ ہے تو اس میں (ح) کو (ہ) سے بدل دیا گیا ہے اور یہ أَفصح اللغات میں سے ہے۔ (ماخوذ از المُخَصّص، كتابُ الأضدادِ، بَابُ مَا يَجِيءُ مقولًا بِحَرفَين وَلَيسَ بدلًا)

اب مذکورہ بالا قاعدہ کو ذہن میں رکھ کر حضور علیہ السلام کی کتب میں دیکھیں تو آپ نے اپنی کتب میں بعض جگہ محجّة الاهتداء کو 'ح' کی بجائے 'ہ' سے مهجّة الاهتداء لکھا ہے۔ کیا اس کو مذکورہ بالا اسلوب پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؟ اگر عرب طَحَره کو طَهَرَه، مَدَحَه کو مَدَهَه بھی پڑھ لیتے تھے اور اگر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمارؓ کو وَيْحكَ کی بجائے فرمایا:

وَيْهَكَ ابنَ سُمَيَّة تو اسی نہج پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا محجّة الاهتداء کو 'ح' کی بجائے 'ہ' سے بدل کر مهجّة الاهتداء لکھنا عین اسلوب عرب اور لغات عرب کے مطابق بنتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے والا لغات عرب کے مضمون سے اپنی جہالت کا ثبوت دے رہا ہوتا ہے۔

نیز حضور علیہ السلام کی کتاب حجة الله میں ایک لفظ حوجاء آیا ہے اور مذکورہ بالا اسلوب کے مطابق یہاں بھی ح کو ہ سے بدلا ہوا تصور کیا جائے تو ثابت ہو گا کہ اصل میں ھوجاء ہے جس کی 'ہ' کو 'ح' سے بدل کر حوجاء لکھا گیا ہے جو ایک فصیح لہجہ ہے اور لغات عرب میں سے ایک معروف لغت ہے۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کی عربی کتب میں دیگر کئی ایسی قدیم عربی لغات بھی پائی جاتی ہیں جو آج کی عربی تحریرات میں ناپید ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

ا۔ عربی زبان میں دیگر زبانوں کے برعکس واحد وجمع کے علاوہ دو کے عدد (یعنی مثنّٰی) کے بھی علیحدہ قواعد ہیں۔ عربی میں مثنّٰی یا تثنیہ 'الف' یا 'الف ونون' کے ساتھ آتا ہے۔ مثلاً جنةٌ کا مثنّٰی، جنتان ہو گا یعنی دو جنتیں یا دو باغ۔ یہ اس کی رفع کی حالت ہے۔ جبکہ نصب اور جر کی حالت میں

الف یاء میں بدل جاتا ہے۔ یعنی جنتان کی حالت، نصب اور جر میں جنتین ہوگی۔ قرآن کریم میں رفع کی حالت کی مثال اس آیت میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾ (الرحمٰن:٤٧)، اور نصب اور جر کی حالت میں قرآن کریم میں اس کی مثال یہ ہے: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ﴾ (الکھف:٣٣)۔

بعض قبائل جیسے بنو الحارث ابن کعب، خثعم، زبید، اور کنانہ وغیرہ کی لغات میں ان قواعد کے برخلاف رفع نصب اور جر تینوں صورتوں میں مثنّٰی کی حالت تبدیل نہیں ہوتی اور ہر تینوں حالات میں الف برقرار رہتا ہے اور یاء میں نہیں بدلتا۔(النحو الوافي ١/١٢٤ – ١٢٣، وجامع الدروس العربية للشيخ مصطفى الغلاييني)

مثنّٰی کے بارے میں مذکورہ بالا اسلوب پر لغت عرب کی مثالیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن بعض معترضین اپنی جہالت کی وجہ سے جب ایسی مثالوں کو آج کے عام معروف قواعد کے خلاف پاتے ہیں تو انہیں اپنے اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں۔ ذیل میں ان پرانی لغات اور اس قاعدہ کی کچھ مثالیں حضور علیہ السلام کے کلام سے پیش ہیں۔

★...''مِنْهَا أَنَّ الشُّهُبَ الثواقِبَ انْقَضَتْ لَهُ مَرَّتَانُ۔''(الِاسْتِفْتاء).

★...''أَلَّا تَعْلَمونَ أَنَّ هَذَان نَقيضانِ فَكَيْفَ يَجْتَمِعَانِ فِي وَقْتٍ واحِدٍ أَيُّهَا اَلْغافِلونَ-''(التَّبْليغ)

★...''إِنَّ فِي هَذَا الِاعْتِقادِ مُصِيْبَتَانِ عَظِيْمَتَانِ-'' (التَّبْليغ)

ان تمام مثالوں میں مثنّٰی منصوب ہے جسے معروف قواعد کے اعتبار سے الف اور نون کی بجائے یاء اور نون کے ساتھ آنا چاہیے تھا لیکن جیسا کہ ذکر ہوا ہے کہ بعض پرانی لغات کے مطابق یہ درست ہے۔

۲۔ کِلَا اور کِلْتَا کے بارے میں عام رائج قاعدہ یہ ہے کہ جب یہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو رفع نصب اور جر تینوں حالتوں میں ان کا الف برقرار رہتا ہے۔ لیکن اس معروف قاعدہ سے ہٹ کر قبیلہ کنانہ کی لغت میں مثنّٰی کے عام قاعدہ کی طرح ان کی بھی رفع الف کے ساتھ اور جرّ ونصب یاء کے ساتھ آتی ہے جو عام رائج قواعد سے ہٹ کر ہے۔ اس کی مثال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں یہ ہے:

''لِيَدُلّ لَفظُ الأُنسَين عَلَى كِلْتَيْ الصِّفَتَين-''(منن الرحمن)

جس کو اس لغت کا علم نہیں ہے وہ جہالت کے باعث کہے گا کہ یہاں پر کلتا الصفتین ہونا چاہیے۔ لیکن اس کی بات غلط ہے کیونکہ یہ بھی عربی لغات میں سے ایک لغت ہے۔

۳۔ قبیلہ بنی ربیعہ کی ایک لغت یہ ہے کہ وہ کسی بھی کلمہ کی نصب کی حالت کی تنوین میں الف نہیں لکھتے تھے۔ مثلاً وہ قراءت کتابًا کو الف کے بغیر قراءت کتابً لکھتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں اس لغت کی مثال بھی پائی جاتی ہے آپ فرماتے ہیں:

''وَتَتَعَهَّدها صَباحً وَمَساءً زُمَر الْمُعْتَقدينَ-'' (مَكْتوب أَحْمَد)

صباحًا کی بجائے آپ علیہ السلام نے صباحً لکھا ہے جو کہ ایک قدیم لغت ہے۔

☆...ایک سببِ اختلافِ لغاتِ عرب یہ ہے کہ بعض قبائل بعض حروف کو قلب کر کے ان کی جگہ دوسرے حروف استعمال کرتے تھے مثلاً نون کو قلب کے ساتھ میم لکھتے اور پڑھتے تھے۔ اس کے بارے میں لسان العرب کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

''وَفِي كِتابِهِ لِوائِلِ بْنِ حُجْرٍ: مَنْ زَنَى مِم بِكْر وَمَن زَنَى مِم ثَيِّب، أَيْ مِنْ بِكْرٍ وَمِن ثَيِّب، فَقَلَبَ النُّونَ مِيمًا-'' (لِسانُ العَرَبِ تَحْتَ كَلِمَةِ ''موم'')

وائل بن حجر نے اپنی کتاب میں مَنْ زَنى مِمْ بِكْرٍ ومَنْ زَنى مِمْ ثَيِّب لکھا یعنی مِنْ کی بجائے مم لکھا ہے اور یوں اس نے نون کو میم سے قلب کر دیا ہے۔

اسی طرح لغات عرب کے اختلاف کے اسباب میں مختلف حروف مثلاً غین کو خاء اور جیم کو ھاء وغیرہ سے بدلنے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

اگر ان اختلافات کو بھی ذہن میں رکھا جائے تو اعتراض کرنے والوں کے کئی اعتراضات کا جواب خود بخود آجائے گا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ ضروری نہیں کہ ہماری ہر توجیہ اور ہر قیاس درست ہو کیونکہ ایسے امور پر قیاس کر کے مختلف استعمالات کا بلا حدود وقیود دروازہ نہیں کھولا جاسکتا بلکہ ایسے امور عربوں سے سماعی طور پر لیے جانے چاہئیں یعنی جو انہوں نے استعمال کیا ہے اس کی اجازت ہے اور جو نہیں کیا اس کی گنجائش نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل لغت کے نزدیک یہ بات معروف ہے کہ عربوں کی سماعی لغات میں سے جو کچھ محفوظ ہوا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اور جو ضائع ہو گیا وہ بہت زیادہ ہے، اس لیے اس نہج پر لکھی گئی کسی تحریر کو خارج از امکان نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ ہو سکتا ہے یہ بھی لغات عرب میں سے کوئی لغت ہو، خصوصًا اگر لکھنے والے کا دعویٰ ہو کہ اسے لغات عرب کا علم خدا تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے تو پھر یہ امکان یقین کی حد تک بڑھ جاتا ہے کہ جو عام طریق سے ہٹ کر لکھا گیا ہے وہ ضرور لغات عرب میں سے کوئی لغت ہو گی۔

ہمارے اس مؤقف کی تائید میں درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں جو اس مضمون پر کافی وشافی روشنی ڈالنے والے ہیں۔

پہلی بات حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے جسے محمد غنیمی صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے:

"كَانَ الشِّعْرُ عِلْمَ قَوْمٍ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ عِلْمٌ أَصَحَّ مِنْهُ... فَجَاءَ الإِسْلامُ فَتَشاغَلَتْ عَنْهُ العَرَبُ، وَتَشاغَلوا بِالْجِهَادِ وَغَزْوِ فارِسٍ والرّومِ، وَوَلهتْ عَنِ الشَّعْرِ وَرِوايَتِه، فَلَمَّا كَثُرَ الإِسْلامُ، وَجَاءَت الفُتُوحُ وَاطْمَأَنَّت العَرَبُ بِالْأَمْصارِ، راجعوا رِوايَةَ الشِّعْرِ، فَلَمْ يؤولوا إِلَى دِيوَانٍ مُدَوَّنٍ، وَلَا كِتابٍ مَكْتوب، وَأَلَّفوا فِي ذَلِكَ، وَقَدْ هَلَكَ مِنَ العَرَبِ مَنْ هَلَكَ بِالْمَوْتِ والْقَتْلِ، فَحِفْظوا أَقَلَّ ذَلِكَ، وَذَهَبَ عَلَيْهِمْ مِنْهُ كَثِيرٌ-" (مُحَمَّد غُنَيْمي هِلال، النَّقْدُ الأَدَبِيُّ الحَديثُ صفحة ٦ طَبْعَةُ دَارِ الثَّقافَةِ بَيْروتَ)

یعنی شعر، قوم عرب کے اس قدر درست علم کا مصدر تھا جس سے زیادہ درست اور کوئی مصدر ان کے پاس نہیں تھا... جب اسلام آیا تو عرب لوگ جہاد میں اور فارس وروم کی طرف پیش قدمی وفتوحات میں مصروف ہو گئے اور شعر اور اس کی روایت سے غفلت اختیار کی۔ پھر جب اسلام بکثرت پھیل گیا اور فتوحات ہوئیں اور عرب لوگ مفتوحہ ملکوں میں پُراطمینان

زندگی بسر کرنے لگے تو انہوں نے شعر کی روایت کی طرف رجوع کیا۔ اس وقت انہوں نے دیکھا کہ نہ تو کوئی شعر کا مدوّن دیوان ہے نہ اس بارے میں کوئی لکھی ہوئی کتاب۔ چنانچہ اس وقت انہوں نے اس بارے میں لکھنا شروع کیا جبکہ اس وقت تک بہت سے عرب شعراء وبلغاء یا تو وفات پا چکے تھے یا قتل ہو گئے تھے۔ تاہم اس وقت انہیں جو قلیل مقدار میں علم مل سکا انہوں نے اسے محفوظ کر لیا لیکن اس علم کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔

دوسری بات ابو عمرو بن علاء کا قول ہے جو کہ قراء سبعہ میں شامل ہیں اور بہت بڑے عالم اور نحوی سمجھے جاتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"مَا انْتَهَى إِلَيْكُمْ مِمَّا قَالَت العَرَبُ إِلَّا أَقَلَّهُ، وَلَوْ جَاءَكُمْ وَافِرًا لجاءَكُمْ عِلْمٌ وَشِعْر كَثِير۔" (طَبَقاتُ فُحولِ الشُّعَراءِ تأليف ابْن سَلام الجُمحي، صفحة ٢٥ تَحْقيق مَحْمود مُحَمَّد شاكِر سَنَةَ ١٩٧٤م)

یعنی تم تک عربوں کے کلام اور اقوال کا محض ایک قلیل حصہ ہی پہنچا ہے۔ اور اگر یہ وافر مقدار میں تم تک پہنچتا تو تمہارے پاس پرانے عربوں کا بہت سا علم اور بہت سا شعری سرمایہ ہوتا۔

تیسری بات چوتھی صدی ہجری کے مشہور ومعروف نحوی ابن جنی کا قول ہے جو انہوں نے اپنی کتاب (الخصائص) میں لکھا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے: اختلاف اللّغات وكلّها

حُجّة یعنی لغات عرب کے اختلاف اور تمام لغات کے حجت ہونے کا بیان۔ اس عنوان کے تحت وہ مشہور ورائج لغات عرب کی بجائے غیر مشہور اور غیر رائج لغات کے استعمال کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فَإذَا كَانَ الأَمْرُ فِي اللُّغَةِ المُعوَّل عَلَيْهَا هَكَذَا، وَعَلَى هَذَا فَيَجبُ أَنْ يَقِلَّ اسْتِعْمالُها، وَأَنْ يَتَخَيَّرَ مَا هوَ أَقْوَى وَأَشيَعَ مِنْهَا، إلَّا أَنَّ إنْسَانًا لَوْ اسْتَعْمَلَهَا لَمْ يَكُنْ مُخْطِئًا لِكَلَام العَرَب، لَكِنَّهُ كَانَ يَكونُ مُخْطِئًا لِأَجْوَدِ اللُّغَتَيْن. فَأَمَّا إنْ احْتَاجَ إلَى ذَلِكَ فِي شِعْر أَوْ سَجَع فَإنَّهُ مَقْبولٌ مِنْهُ، غَيْرُ مَنْعِي عَلَيْه. وَكَذَلِكَ إنْ قَالَ: يَقُولُ عَلَى قِيَاس مَنْ لُغَته كَذَا كَذَا، وَيَقُولُ عَلَى مَذْهَب مَنْ قَالَ كَذَا كَذَا. وَكَيْفَ تَصَرَّفَت الْحَالُ فَالْناطِقُ عَلَى قِيَاس لُغَةٍ مِنْ "لُغاتِ العَرَب" مُصيبٌ غَيْرُ مُخْطِئٍ، وَإنْ كَانَ غَيْر مَا جَاءَ بِهِ خَيْرًا مِنْهُ۔ "(الخَصائِصُ الجزء الثاني الصفحة ١٤، باب في العربي يسمع لغة غيره أيراعيها ويعتمدها، أم يلغيها ويطرح حكمها؟)

یہ عربی تحریر چونکہ پرانی اور مختصر ہونے کی بنا پر کسی قدر مشکل ہے اس لیے اس کا لفظی کی بجائے کسی قدر تفصیلی اور وضاحتی ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ابن جنی کہتے ہیں:

غیر مشہور لغات کا استعمال کم ہونا چاہیے۔ اور کاتب کو چاہیے کہ وہ لغات عرب میں سے سب سے مضبوط اور مشہور ورائج لغات کا انتخاب کرے۔

لیکن اگر کوئی مشہور لغت کے بالمقابل غیر مشہور لغات کا استعمال کرے تو اسے کلام عرب کے استعمال میں غلطی خوردہ نہیں کہا جائے گا۔ تاہم بہتر اور مشہور لغت کو چھوڑ کر اس پر غیر مشہور لغت کو ترجیح دینے کی غلطی ضرور اس سے سرزد ہو گی۔ تاہم اگر وہ شعر میں یا مسجع مقفی عبارت میں ایسا کرتا ہے تو یہ قابل قبول امر ہے اور اس کی مناہی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بات کرتے وقت حوالہ دے کر لکھے کہ یہ فلاں قبیلہ کی زبان پر قیاس کر کے لکھا گیا ہے یا فلاں صرفی نحوی مذہب کے مطابق درج کیا گیا ہے تو بھی ایسی غیر مشہور لغات کے استعمال میں وہ حق بجانب ہو گا۔ قصہ مختصر یہ کہ عربوں کی کسی بھی لغت پر قیاس کر کے بولا جانے والا کلام درست سمجھا جائے گا اور ایسا شخص غلطی خوردہ نہیں کہلائے گا۔ اگرچہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ وہ اگر اس غیر مشہور لغت کی جگہ مشہور لغت استعمال کرتا تو اس سے بہتر تھا۔

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جن بعض لغات یا استعمالات پر اعتراض کیا جاتا ہے ان میں سے اکثر مقامات حضور علیہ السلام کے سجع اور شعر سے لیے گئے ہیں اور اس بارے میں ابن جنی کہتے ہیں کہ ان دو مقامات پر غیر مشہور ورائج لغات کا استعمال جائز ہے اور اس کی کوئی مناہی نہیں ہے۔

پھر بہت سی لغات کے بارے میں تحقیق سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں قبیلہ کی لغات کے مطابق درست ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ بھی آپ نے ایسی لغات یا اسالیب یا استعمالات لکھی ہوں جن پر یہ کہہ کر اعتراض کیا جائے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی تو اس کو آپ کا یہ دعویٰ درست قرار دیتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے چالیس ہزار لغات عرب سکھائی ہیں۔ اور چونکہ لغات عرب کو محفوظ کرنے میں بہت کوتاہی کی گئی ہے اور ہم تک ان لغات کا بہت کم حصہ پہنچا ہے اس صورت حال میں حضور علیہ السلام کے دعویٰ کی تردید کرنے کا کسی کے پاس کوئی جواز نہیں ہے۔

چوتھی بات ابن جنی کا یہ قول ہے جو اس نے اپنی کتاب المُحتَسِبُ میں لکھا ہے:

”لَيْسَ يَنْبَغِي أَنْ يُطْلَقَ عَلَى شَيْءٍ لَهُ وَجْهٌ فِي العَرَبِيَّةِ قائِمٌ- وَإِنْ كَانَ غَيْرُهُ أَقْوَى مِنْهُ- أَنَّهُ غَلَطٌ.“ (المُحْتَسِبُ فِي تَبْيِينِ وُجوهِ شَواذِ القِراءاتِ والْإيضاحِ عَنْهَا جلد١ صفحة ٢٣٦)

یعنی عربی زبان کے کسی بھی استعمال کی اگر کوئی بھی صورت اس زبان میں کہیں موجود ہے تو اسے غلط نہیں کہا جاسکتا خواہ اس سے زیادہ مضبوط استعمالات بھی موجود ہوں۔

پانچویں بات ساتویں صدی ہجری کے مشہور ومعروف علامہ ابو حیان الاندلسی کا قول ہے۔ وہ اپنی کتاب التذییل والتکمیل میں لکھتے ہیں:

”كلُّ ما كان لغةً لقبيلةٍ قِيسَ عليه-“ (التذييل والتكميل في شرح التسهيل، ۲/۲۸)

یعنی اگر کوئی بھی استعمال کسی بھی عربی قبیلہ کی لغت ہو گا تو اس پر قیاس کر کے اس جیسا اسلوب اختیار کیا جا سکتا ہے۔

سو لغات عرب کے بارے میں تفصیلی بیان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس دعویٰ کی عظمت اور آپ کی وسعت علمی کی روشن دلیل ہے اور اس حصہ سے متعلق کلمات وجمل پر اعتراض مخالفین کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

عربی زبان کی فصاحت کے بارے میں قاطع بیان

عربی زبان کی فصاحت کے بارے میں بھی سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت شافی بیان درج فرمایا ہے۔

ایک معترض نے اعتراض کیا کہ قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ موجود ہیں، اس کا جواب دیتے ہوئے حضور علیہ السلام نے عربی زبان کی فصاحت کے بارے میں ایک کلیدی نقطہ بیان فرمایا جسے آج کے علماء بھی ماننے پر مجبور ہیں اور عربی زبان کی فصاحت کی حقیقت سمجھنے کے لیے یہ ایک نہایت اہم نقطہ ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا مَا ظَنَنْتَ أَنَّ فِي القُرْآنِ بَعْضَ أَلْفاظ غَيْر لِسانِ قُرَيْشٍ، فَقَدْ قُلتَ هَذَا اللَّفْظَ مِنْ جَهلٍ وَطَيْشٍ، وَمَا كُنْتَ مِنْ الْمُتَبَصِّرينَ. أَيُّهَا الغَبِيُّ وَالْجَهولُ الدَّنِيُّ، إِنَّ مَدارَ الفَصاحَةِ عَلَى أَلْفاظٍ مَقْبولَةٍ سَواءً كَانَتْ مِنْ لِسانِ القَوْمِ أَوْ مِنْ كَلِمٍ مَنْقولَةٍ مُسْتَعْمَلَةٍ فِي بُلَغاءِ القَوْمِ غَيْرِ مَجْهولَةٍ، وَسَوَاءً كَانَتْ مِنْ لُغَةِ قَوْمٍ واحِدٍ وَمِن مُحاوَراتِهِمْ عَلَى الدَّوَامِ، أَوْ خَالَطَهَا أَلْفاظٌ اسْتِحْلَاهَا بُلَغاءُ القَوْمِ، وَاسْتَعْمَلُوهَا فِي النَّظمِ والنَّثْرِ مِنْ غَيْرِ مَخافَةِ اللَّوْمِ، مُخْتَارِينَ غَيْر مُضْطَرِّينَ. فَلَمَّا كَانَ

مَدارُ البَلاغَةِ عَلَى هَذِهِ القاعِدَةِ فَهذَا هوَ مِعْيارُ الكَلِماتِ الصّاعِدَةِ فِي سَماءِ البَلاغَةِ الراعِدَةِ، فَلَا حَرَجَ أَنْ يَكونَ لَفْظٌ مِنْ غَيْرِ اللِّسانِ مَقْبُولًا فِي أَهْلِ البَيانِ، بَلْ رُبَّمَا يَزِيدُ البَلاغَةَ مِنْ هَذَا النَّهْجِ فِي بَعْضِ الأَوْقَاتِ، بَلْ يَسْتَمْلِحُونَهُ فِي بَعْضِ المقاماتِ، وَيَتَلَذَّذونَ بِهِ أَهْلُ الأَفانِينِ. وَلَكِنَّكَ رَجُلٌ غَمْرٌ جَهولٌ، وَمَعَ ذَلِكَ مُعَانِدٌ وَعَجُولٌ، فَلِأَجْلِ ذَلِكَ مَا تَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ حِقْدِكَ وَجَهْلِكَ، وَمَا تَضَعُ قَدَمًا إِلَّا فِي دَحْلِكَ، وَلَا تَدْرِي مَا لِسانُ العَرَبِ وَمَا الفَصاحَةُ، وَلَا تَصْدُرُ مِنْكَ إِلَّا الوَقاحَةُ، وَمَا لُقِّنتَ إِلَّا سَبَّ الْمُطَهَّرِيْنَ-“ (نور الحق، روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

(اردو ترجمہ منقولہ از کتاب نور الحق) ”اور یہ جو تُو نے خیال کیا کہ قرآن میں بعض ایسے الفاظ ہیں کہ وہ زبان قریش کے مخالف ہیں سو یہ بات تیری سراسر جہل اور نفسانی جوش سے ہے اور بصیرت کی راہ سے نہیں۔ اے غبی اور سفلہ نادان تجھے معلوم ہو کہ فصاحت کا مدار الفاظ مقبولہ پر ہوا کرتا ہے خواہ وہ کلمات قوم کی اصل زبان میں سے ہوں یا ایسے کلمات منقولہ ہوں جو بلغاء قوم کے استعمال میں آ گئے ہوں، اور خواہ وہ ایک ہی قوم کی لغت میں سے ہوں اور ان کے دائمی محاورات میں سے ہوں یا ایسے الفاظ اُن میں مل گئے ہوں، جو قوم کے بلغاء کو شیریں معلوم ہوئے اور

انہوں نے ان کے استعمال اپنی نظم اور نثر میں جائز رکھے ہوں، اور کسی ملامت سے نہ ڈرے ہوں، اور نہ کسی اضطرار سے وہ الفاظ استعمال کیے ہوں۔ پس جبکہ بلاغت کا مدار اسی قاعدہ پر ہوا، پس یہی قاعدہ ان عبارات بلیغہ کے لئے معیار ہے جو فصاحت کے آسمان پر چڑھے ہوئے اور بلندی میں گرج رہے ہیں۔ پس اس بات میں کچھ بھی حرج نہیں کہ ایک غیر زبان کا لفظ ہو مگر بلغاء نے اس کو قبول کر لیا ہو بلکہ اس طریق سے تو بسا اوقات بلاغت بڑھ جاتی ہے اور کلام میں زور پیدا ہو جاتا ہے بلکہ بعض مقامات میں اس طرز کو فصیح اور بلیغ لوگ ملیح اور نمکین سمجھتے ہیں اور تفنّن عبارات کے عشاق اس سے لذت اٹھاتے ہیں۔ مگر تُو تو اے معترض ایک غبی اور جاہل ہے اور باوجود اس کے تُو جلد باز اور دشمن حق ہے اسی لئے تو بغیر کینہ اور جہل کے اور کچھ نہیں جانتا، اور بغیر گڑھے کے اور کسی جگہ قدم نہیں رکھتا۔ اور تُو نہیں جانتا کہ زبان عرب کیا شے ہے اور فصاحت کسے کہتے ہیں؟ اور صرف بے حیائی تجھ میں ہے نہ اور کوئی لیاقت اور تجھ کو تو کسی نے سکھایا ہے کہ تُو پاکوں کو گالیاں دیتا رہے۔‘‘

یہ عبارت کئی لحاظ سے بہت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ فصاحت وبلاغت کے حوالے سے اس عبارت میں مذکور دو نا قابل تردید امور یہ ہیں:

☆...اگر کسی زبان میں دوسری زبان کا کوئی لفظ قابل قبول سمجھا گیا ہو اور قبل ازیں بلغائے قوم کی طرف سے شعر ونثر میں استعمال کیا گیا ہو تو یہ لفظ فصیح سمجھا جائے گا۔

☆...ایسے الفاظ خواہ کیسے ہی شاذ اور غیر مشہور ہوں اگر ان کا استعمال کاتب کے ذاتی ارادے سے ہوا ہے اور ایسا اس نے اپنی قلت علمی یا مناسب لفظ کی عدم موجودگی کی صورت میں نہیں کیا تو ایسا لفظ فصاحت وبلاغت کی ذیل میں ہی لکھا جائے گا۔

نتیجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے عربی کلام میں بھی اگر کوئی ایسے کلمات پائے جائیں تو ان کے ارد گرد استعمال ہونے والے کلمات اور عبارات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قدر بے ساختگی کے ساتھ بلاغت وفصاحت اور مسجع ومقفیٰ عبارات کا دھارا بہ رہا ہے، ایسے میں اگر کوئی ایسا لفظ یا ترکیب استعمال ہوتی ہے جو بظاہر کسی دوسری قوم کی زبان کی ہے تو ایسے بے ساختہ استعمال کی وجہ سے کاتب نے اسے اس زبان کا حصہ بنا لیا ہے اور اس پر اعتراض کرنے والا فصاحت و بلاغت کے مناہج سے ناواقف اور ایسے اسالیب سے غافل وجاہل قرار پائے گا۔

حضور علیہ السلام کے موقف کی تائید

عباس حسن (متوفی ۱۹۷۹ء) موجودہ دَور کے عربی زبان اور علم نحو کے مشہور عالم اور اس میدان میں حجت سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے چار اجزاء میں النحو الوافی کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جو نحو کے موضوع پر موجودہ دَور کی سب سے بہترین کتاب ہے۔ عباس حسن نے صريح الرأي في النحو العربي.. داؤُه ودواؤُه کے عنوان سے کچھ مقالات لکھے جو پہلی بار پچاس کی دہائی میں مصر کے ایک مجلہ (رسالة الإسلام) میں چھپے۔ ان مقالات میں انہوں نے لغات عرب کے مضمون پر بھی سیر حاصل بحث کی۔ انہوں نے علم نحو کی چھ عربی قبائل کی فصیح زبان پر بنا ہونے کے مقولہ کا رد کرتے ہوئے کئی صفحات لکھے ہیں۔ ذیل میں ان کے ذکر کردہ بعض امور کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

دیگر قبائل بھی اسی طرح فصیح تھے جس طرح یہ چھ قبائل۔ اور دیگر قبائل ان چھ قبائل سے کہیں زیادہ لغات کے مالک تھے۔ اس سلسلے میں ایسے قبائل پر یہ تنقید کوئی معنی نہیں رکھتی کہ آیا وہ شہری علاقے میں رہتے تھے یا دیہاتی میں، ملکی حدود پر رہتے تھے یا وہاں عجمیوں اور عیسائیوں کے

قریبی علاقوں کے رہائشی تھے۔ کیونکہ جزیرہ نما عرب کے باشندے اور وہاں کے اصیل عربی قبائل ہونے کی وجہ سے ان قبائل کو لفظوں کے بنانے اور نئے الفاظ ایجاد کرنے کا مکمل اختیار اور حق حاصل تھا بلکہ یہ بھی حق حاصل تھا کہ وہ عجمیوں کی زبان سے جو کلمہ یا ترکیب پسند کریں اسے اپنی زبان میں شامل کرلیں۔ اسی نہج پر قدیم عربوں نے جو غیر عربی کلمات اخذ کر کے استعمال کیے وہ معرّب کہلاتے ہیں۔ ایسے معرّب کلمات کا عربی زبان میں موجود ہونا صاف بتاتا ہے کہ عرب عجمیوں کے ساتھ رہے اور ان سے عربوں کا میل جول رہا جس کی بنا پر انہوں نے عجمیوں کی زبان سے جو پسند آیا لے لیا اور اسے اپنی زبان میں داخل کر لیا اور پھر ایسے کلمات ان کی زبان پر بھی جاری ہو گئے اور قرآن کریم میں بھی ان کا ذکر ہے۔

چنانچہ اس بنا پر ہم کسی قبیلہ کی زبان کو رد نہیں کرسکتے کہ اس کا فلاں عجمیوں کے ساتھ میل ملاپ تھا اور اس کی وجہ سے ان کی زبان فصیح نہیں رہی اور اس میں عجمی زبان کا اختلاط ہو گیا ہو گا۔

اگر اس منطق کو مان لیا جائے تو پھر ان مذکورہ چھ قبائل کی زبان کو بھی ردّ کرنا پڑے گا کیونکہ قریش کے رِحلۃ الشتاء والصیف یعنی سردیوں اور گرمیوں کے تجارتی سفر جاری تھے جس میں وہ سردیوں میں یمن اور

گرمیوں میں شام کی طرف جاتے تھے اور وہاں رہتے اوروہاں کے قبائل سے ملتے جلتے تھے۔ اسی طرح بعض دیگر قبائل جزیرہ نما عرب کے شمال میں واقع رومی اور سریانی اور عبرانی قبائل سے اور جنوب میں فارسیوں اور اہل ہند و یونان سے رابطے میں تھے۔

اس لیے مختلف عربی قبائل میں لغوی اعتبار سے تفریق کرنا اور بعض کو بعض پر فوقیت دینا بعید از انصاف ہے۔ چنانچہ اگر کوئی قبیلہ کسی لفظ یا کلمہ وغیرہ کے اختیار واستعمال میں سب قبائل کے بر خلاف اپنا علیحدہ اسلوب اختیار کرے تب بھی ہمیں اسے قبول کرنے کے سوا چارہ نہ ہو گا۔ یہی موقف ابن جنی، ابو حیان، ابو عمرو، ابن فارس اور امام شافعی کا ہے۔

صرف ونحو کی حقیقت

معترضین اپنی کم علمی اور جہالت کی بنا پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی زبان کو آجکل کے معدودے چند معروف قواعد کے میزان میں تولنا چاہتے ہیں۔ اور بہت سے اعتراضات کی اصل وجہ ان کی یہی کم فہمی ہے۔

حضور علیہ السلام کو ان صرف ونحو کے قواعد کی حقیقت کا بھی گہرا علم تھا اس لیے آپ نے عربی قواعد اور صرف ونحو کے بارے میں ایسی رائے درج فرمائی جس کی تصدیق آج کے محققین بھی کر رہے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا:

''لغت عرب جو صرف نحو کی اصل کنجی ہے وہ ایک ایسا ناپیدا کنار دریا ہے جو اس کی نسبت امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا نَبِيٌّ یعنی اس زبان کو اور اس کے انواع اقسام کے محاورات کو بجز نبی کے اور کوئی شخص کامل طور پر معلوم ہی نہیں کر سکتا۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۷)

اس پیراگراف میں آپ علیہ السلام نے نہایت اختصار کے ساتھ ایسی عظیم الشان دلیل پیش فرمائی ہے کہ آپ کے محض ایک فقرے میں ساری

نام نہاد صرف ونحو کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا ہے کہ صرف ونحو لغت عرب کے مطابق بنائی گئی ہے۔ چنانچہ صرف ونحو کی کنجی لغت عرب میں ہے۔ اور چونکہ لغت عرب دریائے ناپیدا کنار ہے اس لیے عقل کی بات یہی ہے کہ محدود قواعدِ صرف ونحو میں دریائے ناپیدا کنار کیونکر سما سکتا ہے؟!!

علاوہ ازیں حضور علیہ السلام نے صرف ونحو کے فلسفہ پر بھی سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور اس کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

’’صرف اور نحو ایک ایسا علم ہے جس کو ہمیشہ اہل زبان کے محاورات اور بول چال کے تابع کرنا چاہئے اور اہل زبان کی مخالفانہ شہادت ایک دم میں نحو وصرف کے بناوٹی قاعدہ کو رد کر دیتی ہے۔ ہمارے پر اللہ اور رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف ونحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیدیں کہ باوجودیکہ ہم پر کافی اور کامل طور پر کسی آیت کے معنے کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ صرف یا نحو کو ترک نہ کریں۔ اس بدعت کے الزام کی ہمیں حاجت کیا ہے۔ کیا ہمارے لئے کافی نہیں کہ اللہ اور رسول

اور صحابہ کرام ایک صحیح معنے ہم کو بتلاویں۔ نحو اور صرف کے قواعد اطراد بعد الوقوع ہے اور یہ ہمارا مذہب نہیں کہ یہ لوگ اپنے قواعد تراشی میں بکلی غلطی سے معصوم ہیں اور ان کی نظریں ان گہرے محاورات کلام الٰہی پر پہنچ گئی ہیں جس سے آگے تلاش اور تتبع کا دروازہ بند ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بھی ان کو معصوم نہیں سمجھتے ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں إِن هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ بھی آیت موجود ہے۔ لیکن کیا آپ نظیر کے طور پر کوئی قول عرب قدیم کا پیش کرسکتے ہیں جس میں بجائے إِن هَذَينِ کے إِنْ هَذَانِ لکھا ہو۔ کسی نحوی نے آج تک یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ ہم قواعد صرف و نحو کو ایسے کمال تک پہنچا چکے ہیں کہ اب کوئی نیا امر پیش آنا یا ہماری تحقیق میں کسی قسم کا نقص نکلنا غیر ممکن ہے۔ غرض التزامِ قواعدِ مخترعہ صرف و نحو کا حُجَج شرعیہ میں سے نہیں۔ یہ علم محض از قبیل اطراد بعد الوقوع ہے اور ان لوگوں کی معصومیت پر کوئی دلیل شرعی نہیں مل سکتی۔ خواصِ علمِ لغت ایک دریا ناپیدا کنار ہے۔ افسوس کہ ہماری صرف و نحو کے قواعد مرتب کرنے والوں نے بہت جلد ہمت ہار دی اور جیسا کہ حق تفتیش کا تھا بجا نہیں لائے۔ اور کبھی انہوں نے ارادہ نہیں کیا اور نہ کرسکے کہ ایک گہری اور عمیق نظر سے قرآنی وسیع المفہوم الفاظ کو پیش نظر رکھ کر قواعد

تامہ کاملہ مرتب کریں اور یوں ہی ناتمام اپنے کام کو چھوڑ گئے۔ ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ ہم کسی طرح قرآن کریم کو ان کا تابع نہ ٹھہراویں بلکہ جیسے جیسے خواص وسیع المفہوم قرآن کریم کے الفاظ کے کھلنے چاہئیں اسی کے مطابق اپنی پرانی اور ناتمام نحو کو بھی درست کرلیں۔ یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر یک زبان ہمیشہ گردش میں رہتی ہے اور گردش میں رہے گی۔ جو شخص اب ملک عرب میں جاکر مشاہدہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ کس قدر پہلی زبانوں سے اب عربی زبان میں فرق آگیا ہے یہاں تک کہ اقعد کی جگہ اگد بولا جاتا ہے۔ ایسا ہی کئی محاورات بدل گئے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ جس زمانہ میں صرف و نحو کے قواعد مرتب کرنے کیلئے توجہ کی گئی وہ زمانہ کس قدر آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے فرق کرگیا تھا اور کیا کچھ محاورات میں تبدل واقعہ ہوگیا تھا۔ نحوی اور صرفی اس بات کے بھی تو قائل ہیں کہ باوجود ترتیبِ قواعد کے ایک حصہ کثیرہ خلاف قیاس الفاظ اور خلاف قیاس ترتیب الفاظ کا بھی ہے جس کی حد ابھی غیر معلوم ہے، جو ابھی تک کسی قاعدہ کے نیچے نہیں آسکا۔ غرض یہ صرف اور نحو جو ہمارے ہاتھ میں ہے صرف بچوں کو ایک موٹی قواعد سکھلانے کیلئے ہے۔ اس کو ایک رہبر معصوم تصور کرلینا اور خطا اور غلطی سے پاک

سمجھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو بجز اللہ اور رسول کے کسی اور کو بھی معصوم قرار دیتے ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ نے ہمیں یہ فرمایا ہے: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ یعنی اگر تم کسی بات میں تنازع کرو تو اس امر کا فیصلہ اللہ اور رسول کی طرف رد کرو اور صرف اللہ اور رسول کو حکم بناؤ نہ کسی اور کو۔ اب یہ کیونکر ہوسکے کہ ناقص العلم صرفیوں اور نحویوں کو اللہ اور رسول کو چھوڑ کر اپنا حکم بنایا جائے۔ کیا اس پر کوئی دلیل ہے۔ تعجب کہ متبع سنت کہلا کر کسی اور کی طرف بجز سر چشمہ طیبہ مطہرہ اللہ رسول کے رجوع کریں۔ آپ کو یاد رہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف و نحو غلطی سے پاک ہیں یا بہمہ وجوہ متمم و مکمل ہیں۔ اگر آپ کا یہ مذہب ہے تو اس مذہب کی تائید میں تو کوئی آیت قرآن کریم پیش کیجئے یا کوئی حدیث صحیح دکھلایئے ورنہ آپ کی یہ بحث بے مصرف فضول خیال ہے، حجت شرعی نہیں۔ میں ثابت کرتا ہوں کہ اگر فی الحقیقت نحویوں کا یہی مذہب ہے کہ نون ثقیلہ سے مضارع خالص مستقبل کے معنوں میں آجاتا ہے اور کبھی اور کسی مقام اور کسی صورت میں اس کے برخلاف نہیں ہوتا تو انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ قرآن کریم ان کی غلطی ظاہر کررہا ہے اور اکابر صحابہ اس پر شہادت دے رہے ہیں۔ حضرت انسانوں کی اور کوششوں

کی طرح نحویوں کی کوششیں بھی خطا سے خالی نہیں۔ آپ حدیث اور قرآن کو چھوڑ کر کس جھگڑے میں پڑ گئے۔'' (الحق مباحثہ دہلی، روحانی خزائن جلد۴ صفحہ ۱۸۳-۱۸۴)

قواعد صرف ونحو کے بارے میں حضور علیہ السلام کے اس اقتباس میں مذکور فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆... علمائے قواعد وصرف غلطی سے مبرّا یا خطا سے معصوم نہیں ہیں۔

☆... عربی زبان کے قواعد قطعی نہیں ہیں نہ ہی اس معنی میں جامع ومانع ہیں کہ ہر قسم کے تمام امور کو ان میں سمٹا ہوا تصور کیا جائے۔ اس لیے بہت سے ایسے امور ہو سکتے ہیں جو ان میں سے کسی قاعدے کے تحت نہ آتے ہوں۔

☆... علمائے قواعد وصرف کے بنائے ہوئے قواعد کی پابندی کوئی حجت شرعی نہیں کہ جس کا ہر حال میں التزام کیا جائے۔

☆... صرف ونحو کی کنجی لغت عرب میں ہے۔ اور چونکہ لغت عرب دریائے ناپیدا کنار ہے اس لیے عقل کی بات یہی ہے کہ محدود قواعد صرف ونحو میں دریائے ناپیدا کنار کا سمانا محال ہے؟

☆... عربی زبان کا مکمل احاطہ سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا۔

☆... نحویوں کا عربی زبان کے قواعد بنانے کا عمل ناقص اور نامکمل ہے۔

☆... فہم قرآن کی بنا صرف آج کل کے معروف قواعد پر نہیں ہونی چاہیے بلکہ قرآن کریم کو ان تمام قواعد پر مہیمن ہے۔ اس امر کو مدِ نظر رکھ کر قرآن کریم کو سمجھنے کی ضرورت ہے یعنی اگر ان میں تبدیلی سے قرآن کریم کے خواص اور مفاہیم ظاہر ہوتے ہیں تو ایسے قاعدہ کو تبدیل کرنا عین درست ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی قاعدہ قرآن کریم کے نئے مفاہیم ظاہر کرنے والا ہو تو اسے ضرور عربی زبان کے مضبوط قواعد میں سے ایک قاعدہ قرار دیا جانا چاہیے۔

☆... نحوی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ عربی زبان میں بہت سے ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو عربی زبان کے معروف قواعد کے تحت نہیں آتے۔

حضور علیہ السلام کے اس موقف کی تائید دَور حاضر کے بڑے بڑے نحوی بھی کرتے ہیں۔ النحو الوافی کے مصنف عباس حسن صاحب نحو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نحو کے بارے میں سب سے پہلے جو کسی محقق کو پڑھنے کو ملتا ہے وہ کسی نحوی مسئلہ میں مختلف آراء اور ان آراء کی بنا پر کسی بھی ایک مسئلہ میں مختلف نحویوں کے مختلف احکام یا قواعد ہیں۔ یہاں تک

ان میں سے اگر کوئی کسی رائے کے بارے میں اس یقین پر بھی پہنچ جائے کہ وہ رائے سب سے زیادہ درست ہے تب بھی اسی معاملہ میں کوئی عام آدمی بغیر تحقیق کیے بآسانی کہہ سکتا ہے کہ ایک رائے اس موقف کے خلاف بھی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نحو اور اس کے قواعد میں سے کوئی قاعدہ بھی دو یا اس سے زیادہ متضاد آرا سے خالی نہیں ہے۔ (ملخص از صریح الرأي في النحو العربي داؤه و دواؤه المقالة الأولى للأستاذ عباس حسن)

علم نحو کے اصول کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں دو معروف مدرسے بصری اور کوفی میں بھی حد درجہ اختلاف ہے۔ کوفی تو ہر چیز کو لے لیتے ہیں چاہے اس کے بارے میں صرف ایک مثال ہی مذکور ہوئی ہو، اس لیے انہوں نے قرآن کریم کی قراءات کو بھی بطور حجت اخذ کیا ہے۔ لیکن بصری کہتے ہیں کہ محض ایک مثال سے کوئی لغت فصیح نہیں کہلا سکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کوئی معیار یا تعداد بھی مقرر نہیں کی جس کی بنا پر کسی لغت کو فصیح یا غیر فصیح قرار دیا جاسکے۔

یہ اختلاف بذات خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال کی صداقت کا اعتراف ہے کہ قواعد صرف و نحو کوئی شرعی حجت نہیں ہیں کہ

جسے آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جائے۔ نہ ہی یہ تمام لغات اور استعمالات پر نظر کر کے بنائے گئے ہیں۔ بلکہ جب تمام علمائے لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بہت سا ادب اور لغات اور علم ضائع ہو گیا تو پھر باقی ادب اور علم کی بنا پر بننے والے قواعد بھی ناقص ہی رہیں گے۔

اس سارے مضمون کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

''جب تک زبان عرب میں پورا پورا توغل نہ ہو اور جاہلیت کے تمام اشعار نظر سے نہ گذر جائیں اور کتب قدیمہ مبسوطہ لغت جو محاورات عرب پر مشتمل ہیں غور سے نہ پڑھے جائیں اور وسعت علمی کا دائرہ کمال تک نہ پہنچ جائے تب تک عربی محاورات کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا اور نہ اُن کی صرف اور نحو کا باستیفاء علم ہو سکتا ہے۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۶)

اگر کسی کا علم اس سے کم ہے تو ہو سکتا ہے کہ عربی زبان کے صرف و نحو وغیرہ کے کچھ قواعد اور ادب کے کچھ محاورات اور تراکیب واستعمالات اس کی نظر سے اوجھل رہ گئے ہوں اور وہ جہالت کی بنا پر اعتراض کر بیٹھے۔

جہاں تک آج کل کے محدود قواعد صرف و نحو کا تعلق ہے تو وہ محض بنیادی معلومات اور روز مرہ کی سطحی زبان کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں۔

کامل وسعت علمی کو آج کے محدود قواعد کے اندر رکھ کر جانچنا جہالت متصور ہو گا۔

یہاں تک ہم نے حضور علیہ السلام کے عربی زبان میں بسطت کاملہ کے دعویٰ کو اجمالی طور پر اور لغات عرب کے بارے میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

آپ کے اس دعویٰ کا ثبوت آپ کی کتب ہیں جن میں نہ صرف لغاتِ عرب کی بہت سی مثالیں ہیں بلکہ سیرۃ الابدال جیسی تصنیف میں عربی کے ایسے مفردات، تراکیب اور مادے بھی استعمال ہوئے ہیں جن کو عرب بھلا بیٹھے ہیں۔

اب ہم حضور علیہ السلام کی عربی دانی پر مخالفین کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں اور ان کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک ایک جملے میں چھپے معانی کے سمندر کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنے جوابات کے دوران عربی زبان کے بارے میں اپنے دعویٰ کے بعض نہایت اہم اور عظیم الشان پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

حضور علیہ السلام کی عربی تحریرات پر ممکنہ اعتراضات ان کے مآخذ کا بیان اور ان کے ردّ کا طریق

معترضین کے اعتراضات پر حضور علیہ السلام کے جوابات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو مخالفین کے اعتراضات کی نوعیت کا بھی علم تھا اور اپنے خداداد علم کے کمال پر بھی ایسا یقین کامل تھا کہ جو آپ نے لکھا ہے وہ حقیقی اغلاط سے مبرّا ہے کیونکہ وہ خدائی تصرف سے لکھا گیا ہے اس لیے آپ کی تحریر یا اسلوب میں جس بات پر اعتراض کیا جاتا ہے اس قاعدہ یا اسلوب کی مثال عربی لٹریچر میں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گی۔ مثلاً فرمایا:

''ایک نادان نکتہ چینی کرتا ہے کہ فلاں صلہ درست نہیں یا ترکیب غلط ہے، اور اسی قسم کا صلہ اور اسی قسم کی ترکیب اور اسی قسم کا صیغہ قدیم جاہلیت کے کسی شعر میں نکل آتا ہے۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی تحریرات پر اعتراضات کے جواب میں آج تک جو کام جماعت نے کیا ہے وہ بعینہٖ حضور علیہ السلام کے

بتائے ہوئے طریق کے مطابق ہے یعنی ایسے استعمالات جن پر اعتراض کیا جاتا ہے اس کی مثال اور دلیل کسی نہ کسی پرانی کتاب سے یا پرانی لغات یا قاعدہ سے تلاش کی جاتی ہے اور وہ مل جاتی ہے۔

اس بیان سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو کچھ لکھا اس کی حقیقت کے بارے میں بھی آپ کو گہرا علم تھا اورآپ نے اس کے مصادر وغیرہ کی طرف بھی اپنی تحریرات میں اشارے فرمادیے تھے۔

صرفی نحوی قواعد کے خلاف عبارتوں کی تطبیق کا طریق

آپ علیہ السلام کی تحریرات میں جہاں بظاہر صرفی نحوی قواعد کی پابندی نظر نہیں آتی وہ کوئی سہو نہیں بلکہ اس کے بارے میں بھی حضور علیہ السلام کو علم تھا اور آپ نے اس کے جواب دینے کے لیے بھی خود راہ دکھائی تھی۔ فرمایا:

’’یہ عجیب بات ہے کہ بعض اوقات بعض فقروں میں خدا تعالیٰ کی وحی انسانوں کی بنائی ہوئی صرفی نحوی قواعد کی بظاہر اتباع نہیں کرتی مگر ادنیٰ توجہ سے تطبیق ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے بعض نادانوں نے قرآن شریف پر بھی اپنی مصنوعی نحو کو پیش نظر رکھ کر اعتراض کئے ہیں مگر یہ تمام اعتراض بیہودہ ہیں۔‘‘ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۶)

پھر فرمایا:

’’زبان کا علم وسیع خدا کو ہے نہ کسی اور کو۔ اور زبان جیسا کہ تغیر مکانی سے کسی قدر بدلتی ہے ایسا ہی تغیر زمانی سے بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ آج کل کی عربی زبان کا اگر محاورہ دیکھا جائے جو مصر اور مکّہ اور مدینہ اور دیارِ شام وغیرہ میں بولی جاتی ہے تو گویا وہ محاورہ صَرف و نحو کے تمام قواعد کی بیخ کنی کر رہا ہے اور ممکن ہے کہ اسی قسم کا محاورہ کسی زمانہ میں پہلے بھی گذر چکا ہو۔ پس خدا تعالیٰ کی وحی کو اس بات سے کوئی روک نہیں ہے کہ بعض فقرات سے گذشتہ محاورہ یا موجودہ محاورہ کے موافق بیان کرے۔ اِسی وجہ سے قرآن میں بعض خصوصیات ہیں۔‘‘ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۶)

پرانی عربی لغات اور مختلف قبائل اور علاقوں کے مختلف لہجے سارے فصیح عربی زبان کا حصہ تھے۔ لیکن آج کل کے عربی لہجے بہت بگڑ گئے ہیں اور حضور علیہ السلام کی یہ بات سو فیصد درست ہے کہ آج کل دیار عربیہ میں بولی جانے والی عربی زبان صرف و نحو کے تمام قواعد کی بیخ کنی کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا کوئی لہجہ پہلے بھی گزرا ہو اور خدا نے جو اسلوب حضور علیہ السلام کو سکھایا ہے یا جو وحی فرمائی ہے وہ اس پرانے محاورہ کے مطابق ہو۔

اس کلام سے واضح ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو اپنی وحی پر کس قدر یقین تھا اور کتنے وثوق سے آپ فرماتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی پرانے محاورہ کے مطابق درست ہوگی، صرف تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

آج جو بھی معترضین کے جواب دینے کی کوشش کرتا ہے اس کی تحقیق کا ماحصل یہی ایک جملہ ہے کہ ''ادنیٰ توجہ سے تطبیق ہوسکتی ہے۔'' کیونکہ تھوڑی سی محنت سے ہر مقام اعتراض کی مثال پرانی کتب سے مل جاتی ہے۔

کیا حضورؑ کی کتب میں سہو وغیرہ کی کوئی غلطی نہیں؟!

مذکورہ بالا ساری بحث کا یہ مطلب نہیں کہ حضور علیہ السلام کی عربی کتب میں نظر آنے والی ہر غلطی کے بارے میں ہمارا یہی موقف ہونا چاہیے کہ کسی نہ کسی قاعدہ کی رو سے یہ درست ہوگی۔ کیونکہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود بعض ایسی غلطیوں کی موجودگی کا ذکر فرمایا ہے تو ہمیں بھی اس سے انکار نہیں ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام کے بیان میں جو اس کی تصریح ہے اسے ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ آپؑ نے فرمایا ہے کہ:

''جو شخص عربی یا فارسی میں مبسوط کتابیں تالیف کرے گا ممکن ہے کہ حسب مقولہ مشہورہ قَلَّمَا سَلِمَ مِکْثَارٌ کے کوئی صرفی یا نحوی غلطی اُس سے

ہو جائے اور بباعث خطاء نظر کے اُس غلطی کی اصلاح نہ ہو سکے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ سہو کاتب سے کوئی غلطی چھپ جائے اور بباعثِ ذہولِ بشریت، مؤلف کی اسپر نظر نہ پڑے۔'' (کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۴۷)

نیز فرمایا:

"إنّ كُتُبِي مُبَرَّأَةٌ مِمَّا زَعَمْتَ، وَمُنَزَّهَةٌ عَمَّا ظَنَنْتَ، إِلَّا سَهْوَ الكاتِبِيْنَ، أَوْ زَيْغَ القَلَمِ، بِتَغَافُلٍ مِنِّي لَا كَجَهْلِ الْجَاهِلِيْنَ." (مکتوب احمد، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۱-۲۴۲)

یعنی میری کتب تمہاری مزعومہ غلطیوں اور مظنونہ اخطاسے مبرّا ہیں سوائے اس غلطی کے جو کاتبین کی سہو ہو، یا لغزشِ قلم ہو، یا میری غفلت سے رہ گئی ہو، نہ کہ جہالت کی وجہ سے صادر ہوئی ہو۔

اسی طرح ایک مقام پر فرمایا:

''اکثر جلد باز نکتہ چین خاص کر شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی جو ہماری عربی کتابوں کو عیب گیری کی نیت سے دیکھتے ہیں بباعث ظلمت تعصب، کاتب کے سہو کو بھی غلطی کی مد میں ہی داخل کر دیتے ہیں۔'' (سرّ الخلافہ، روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۱۶)

اس کا مطلب ہے حضور علیہ السلام نے بعض نکالی گئی غلطیوں کو چیک کر کے دیکھا کہ وہ کاتب کی غلطی ہے اور پھر یہ جواب دیا کہ کاتب کی غلطی کو میری غلطی شمار نہ کیا جائے۔ آگے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ بعض لوگوں نے سہو کاتب والی غلطیاں نکال کر حضور علیہ السلام کو بھیجیں اور حضورؑ کے چیلنج کے مطابق ان پر انعام حاصل کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس بارے میں حضور علیہ السلام نے خود تحریر فرمایا:

''بعض خوش فہم آدمی چند سہو کاتب یا کوئی اتفاقی غلطی نکال کر انعام کے امیدوار ہوئے۔'' (سرّ الخلافہ، روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۱۶)

اس کا مطلب ہے اتفاقی غلطی اور سہو کاتب ہوا، اور حضور علیہ السلام کے سامنے آیا۔ اور جہاں واضح طور پر اس کا پتہ چلا وہاں حضور علیہ السلام نے اسے خود تسلیم فرمایا ہے۔ لیکن اس کے لیے بھی حضور علیہ السلام نے خود ایک شاندار قاعدہ بنا دیا۔

کتابت کی غلطیوں اور سہو کاتب کے بارے میں اصولی ہدایت

یہ سوال ہو سکتا تھا کہ یوں تو ہر غلطی کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ سہو کاتب یا لغزش قلم ہے۔ لیکن آپ علیہ السلام نے اس کے بارے میں بھی اصولی ہدایت بھی دے دی اور وضاحت بھی فرما دی۔ فرمایا:

’’در حقیقت ہماری صرفی یا نحوی غلطی صرف وہی ہو گی جس کے مخالف صحیح طور پر ہماری کتابوں کے کسی اور مقام میں نہ لکھا گیا ہو۔ مگر جب کہ ایک مقام میں کسی اتفاق سے غلطی ہو اور وہی ترکیب یا لفظ دوسرے دس بیس یا پچاس مقام میں صحیح طور پر پایا جاتا ہو تو اگر انصاف اور ایمان ہے تو اس کو سہو کاتب سمجھنا چاہیئے نہ غلطی۔‘‘ (سرّ الخلافہ، روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۱۶)

اس بیان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام خود بعض سہو کاتب وغیرہ کی قسم کی غلطیوں کو تسلیم فرماتے ہیں لیکن اگر وہ لفظ یا ترکیب دیگر مقامات پر حسب قواعد درست طور پر تحریر ہے تو لازم آتا ہے کہ اسے سہو کاتب تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ کسی بھی سمجھی جانے والی غلطی کے بالمقابل حضور علیہ السلام کی کتب سے اس کے درست استعمالات نکال کر پیش کر دیے جائیں تو حضور علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق خود بخود ایسے اعتراضات کا ردّ ہو جائے گا۔

مقامات حریری وغیرہ سے سرقہ کے الزام کا اصولی اور علمی ردّ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی تحریرات میں چونکہ بعض فقرے ایسے موجود ہیں جو بعینہٖ یا کسی قدر تبدیلی کے ساتھ مقامات حریری یا ھمذانی

وغیرہ کتب میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان پر جاہل اور کوتاہ علم مخالفین اُس وقت سے لے کر آج تک اعتراض کرتے جا رہے ہیں کہ نعوذ باللہ حضور علیہ السلام نے یہ ان مقامات سے سرقہ کیے ہیں۔

ان کے اعتراضات کی حقیقت اوراس کا اصولی جواب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود ہی دے دیا تھا اور محض چند الفاظ یا ایک ایک جملے میں جوابات کے مآخذ کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔

* پہلی اصولی بات: بعض فقرات کی بناپر سرقہ کاالزام جہالت ہے

حضور علیہ السلام کا موقف یہ ہے کہ یہ اسلوب ادبی کتب میں بلکہ آسمانی کتب میں بھی پایا جاتا ہے کہ بعض معروف ادباء کے کلام سے توارد ہو جاتا ہے اور ایسے چند فقرات کی بنا پر ان کتب پر سرقہ کا الزام محض جہالت ہے۔ ایسے توارد پر نہ صرف یہ کہ اعتراض نہیں ہو سکتا بلکہ ادباء کے نزدیک یہ طریق مستحسن ہے اور ادبی ملکہ شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

’’خود اُدباء کے نزدیک اس قدر قلیل توارد نہ جائے اعتراض ہے اور نہ جائے شک۔ بلکہ مستحسن ہے کیونکہ طریق اقتباس بھی ادبیہ طاقت میں شمار

کیا گیا ہے اور ایک جُز بلاغت کی سمجھی گئی ہے۔ جو لوگ اس فن کے رجال ہیں وہی اقتباس پر بھی قدرت رکھتے ہیں ہر یک جاہل اور غبی کا یہ کام نہیں ہے۔ ماسوا اس کے ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشاء پردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے تا معارف حقائق قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کریں۔ اور وہ بلاغت جو ایک بیہودہ اور لغو طور پر اسلام میں رائج ہو گئی تھی اس کو کلام الٰہی کا خادم بنایا جائے اور جبکہ ایسا دعویٰ ہے تو محض انکار سے کیا ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کی مثل پیش نہ کریں یوں تو بعض شریر اور بدذات انسانوں نے قرآن شریف پر بھی یہ الزام لگایا ہے کہ اس کے مضامین توریت اور انجیل میں سے مسروقہ ہیں اور اس کی امثلہ قدیم عرب کی امثلہ ہیں جو بالفاظہا سرقہ کے طور پر قرآن شریف میں داخل کی گئی ہیں۔ ایسا ہی یہودی بھی کہتے ہیں کہ انجیل کی عبارتیں طالمود میں سے لفظ بلفظ چُرائی گئی ہیں۔ چنانچہ ایک یہودی نے حال میں ایک کتاب بنائی ہے جو اس وقت میرے پاس موجود ہے اور بہت سی عبارتیں طالمود کی پیش کی ہیں جو بجنسہٖ بغیر کسی تغیر تبدّل کے انجیل میں موجود ہیں اور یہ عبارتیں صرف ایک دو فقرے نہیں ہیں بلکہ ایک بڑا حصہ انجیل کا ہے اور وہی فقرات اور وہی عبارتیں ہیں جو انجیل میں موجود ہیں

اور اس کثرت سے وہ عبارتیں ہیں جن کے دیکھنے سے ایک محتاط آدمی بھی شک میں پڑے گا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور دِل میں ضرور کہے گا کہ کہاں تک اس کو توارد پر حمل کرتا جاؤں اور اس یہودی فاضل نے اِسی پر بس نہیں کی بلکہ باقی حصّہ انجیل کی نسبت اُس نے ثابت کیا ہے کہ یہ عبارتیں دوسرے نبیوں کی کتابوں میں سے لی گئی ہیں اور بعینہٖ وہ عبارتیں بائبل میں سے نکال کر پیش کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ انجیل سب کی سب مسروقہ ہے اور یہ شخص خدا کا نبی نہیں ہے بلکہ اِدھر اُدھر سے فقرے چُرا کر ایک کتاب بنالی اور اس کا نام انجیل رکھ لیا۔ اور اس فاضل یہودی کی طرف سے یہ اس قدر سخت حملہ کیا گیا ہے کہ اب تک کوئی پادری اِس کا جواب نہیں دے سکا۔ یہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے جو ابھی ملی ہے۔ اب چونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت مسیح نے ایک یہودی اُستاد سے سبقًاسبقًا توریت پڑھی تھی اور طالمود کو بھی پڑھا تھا اِس لئے ایک شکی مزاج کے انسان کو اِس شبہ سے نکلنا مشکل ہے کہ کیوں اِس قدر عبارتیں پہلی کتابوں کی انجیل میں بلفظہا داخل ہو گئیں اور نہ صرف وہی عبارتیں جو خدا کی کلام میں تھیں بلکہ وہ عبارتیں بھی جو انسانوں کے کلام میں تھیں۔ مگر اس سنت اللہ پر نظر کرنے سے جس کو ابھی ہم لکھ چکے ہیں یہ شبہ ہیچ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ

بباعث اپنی مالکیّت کے اختیار رکھتا ہے کہ دُوسری کتابوں کی بعض عبارتیں اپنی جدید وحی میں داخل کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں چنانچہ براہین احمدیہ کے دیکھنے سے ہر ایک پر ظاہر ہو گا کہ اکثر قرآنی آیتیں اور بعض انجیل کی آیتیں اور بعض اشعار کسی غیر ملہم کے اس وحی میں داخل کئے گئے ہیں جو زبردست پیشگوئیوں سے بھری ہوئی ہے جس کے منجانب اللہ ہونے پر یہ قوی شہادت ہے کہ تمام پیشگوئیاں اُس کی آج پوری ہو گئیں اور پوری ہو رہی ہیں۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۷ تا ۴۳۸)

اس اقتباس میں اور دیگر کئی مقامات پر حضور علیہ السلام نے ایک نہایت عارفانہ نکتہ کی نشاندہی کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی کا کوئی جملہ یا کلام خدا کے الہام میں شامل ہو جائے تو اگرچہ کلمات تو وہی رہتے ہیں لیکن اس کلام کی عظمت خارق عادت ہو جاتی ہے اور جس کو چشم بینا عطا ہوئی ہو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اگرچہ یہی کلام فلاں ادیب نے کہا تھا لیکن اس کی کوئی وقعت نہ تھی تاہم جب یہ فقرہ یا جملہ خدا تعالیٰ کی وحی میں شامل ہوا تو عظیم الشان پیشگوئی اور عظمت وجلال والے کلام کی حیثیت اختیار کر گیا۔

آپ علیہ السلام کو زلزلہ کی نسبت دی جانے والی پیشگوئی جن الفاظ میں دی گئی وہ لبید بن ربیعہ کے شعر کا ایک مصرعہ تھا۔ اس پر بہت اعتراض کیا گیا

جس کے جواب میں آپ علیہ السلام نے اس عارفانہ مضمون کو بیان فرماتے ہوئے لکھا کہ: ’’اب یاد رہے کہ وحی الٰہی یعنی عَفَتِ الدّیارُ مَحلّها ومَقَامُها یہ وہ کلام ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے خدا تعالیٰ نے لبید بن ربیعۃ العامری کے دل میں ڈالا تھا جو اُس کے اس قصیدہ کا اوّل مصرعہ ہے جو سبعہ مُعلّقہ کا چوتھا قصیدہ ہے اور لبید نے زمانہ اسلام کا پایا تھا اور مشرف باسلام ہو گیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں داخل تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کے کلام کو یہ عزّت دی کہ جو آخری زمانہ کی نسبت ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی کہ ایسی ایسی تباہیاں ہوں گی جن سے ایک ملک تباہ ہو گا وہ اُسی کے مصرع کے الفاظ میں بطور وحی فرمائی گئی جو اس کے منہ سے نکلی تھی۔ پس یہ تعجب سخت نادانی ہے کہ ایک کلام جو مسلمان کے منہ سے نکلا ہے وہ کیوں وحی الٰہی میں داخل ہوا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں وہ کلام جو عبداللہ بن ابی سرح کے منہ سے نکلا تھا یعنی فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ وہی قرآن شریف میں نازل ہوا جس کی وجہ سے عبد اللہ بن ابی سرح مرتد ہو کر مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ پس جب کہ خدا تعالیٰ کے کلام کا ایک مرتد کے کلام سے توارد ہوا تو اس سے کیوں تعجب کرنا چاہیے کہ لبید جیسے صحابی بزرگوار کے کلام سے اس کے کلام کا توارد ہو جائے۔ خدا تعالیٰ جیسے ہر ایک چیز کا وارث ہے ہر ایک

پاک کلام کا بھی وارث ہے اور ہر ایک پاک کلام اُسی کی توفیق سے مُنہ سے نکلتا ہے۔ پس اگر ایسا کلام بطور وحی نازل ہو جائے تو اس بارے میں وہی شخص شک کرے گا جس کو اسلام میں شک ہو.....اِسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے بھی کئی مرتبہ قرآن شریف کا توارد ہوا جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قال: قال عمر: وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ اَرْبَعٍ یعنی چار باتیں جو میرے منہ سے نکلیں وہی خدا تعالیٰ نے فرمائیں.....اگر کسی شخص کا کلام خدا کے کلام میں بطور وحی کے داخل ہو جائے تو وہ بہر حال اعجاز کا رنگ پکڑ سکتا ہے۔ مثلاً یہی وحی الٰہی یعنی عَفَتِ الدّیارُ مَحلّها ومَقامُها جب لبید رضی اللہ عنہ کے مُنہ سے شعر کے طور پر نکلی تو یہ معجزہ نہ تھی۔ لیکن جب وحی کے طور پر ظاہر ہوئی تو اب معجزہ ہوگئی۔ کیونکہ لبید ایک واقعہ گذشتہ کے حالات پیش کرتا ہے جن کا بیان کرنا انسانی قدرت کے اندر داخل ہے لیکن اب خدا تعالیٰ لبید کے کلام سے اپنی وحی کا توارد کرکے ایک واقعہ عظیمہ آئندہ کی خبر دیتا ہے جو انسانی طاقتوں سے باہر ہے پس وہی کلام جب لبید کی طرف منسوب کیا جائے تو معجزہ نہیں ہے لیکن جب خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو بلاشبہ معجزہ ہے۔ آج سے ایک سال پہلے اس بات کو کون جانتا تھا کہ ایک حصہ اس ملک کا زلزلہ شدیدہ کے سبب سے تباہ اور ویران ہو

جائے گا یہ کس کو خبر تھی کہ اس قدر شہر اور دیہات یک دفعہ زمین میں دھنس کر تمام عمارتیں نابود ہو جائیں گی اور اُس زمین کی ایسی صورت ہو جائے گی کہ گویا اس میں کبھی کوئی عمارت نہ تھی پس اسی بات کا نام تو معجزہ ہے کہ کوئی ایسی بات ظہور میں آوے جو پہلے اس سے کسی کے خیال و گمان میں نہ تھی اور امکانی طور پر بھی اس کی طرف کسی کا خیال نہ تھا۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۶۲ تا ۱۶۳)

چند فقرات کی بناء پر سرقہ کے الزام کے نتائج

اس ساری بحث پر نظر کرنے سے حضور علیہ السلام کی بات ہی سچی ثابت ہوتی ہے کہ کسی کے کلام میں پائے جانے والے قدیم کتب کے چند فقرے یا الفاظ کو سرقہ قرار دیا جائے تو پھر اس سے تو کوئی کتاب بھی محفوظ نہیں رہے گی بلکہ الہامی کتب بھی اس الزام سے باہر نہیں رہیں گے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

''اگر اس کو ایک جائز اعتراض سمجھا جائے تو نہ اس سے قرآن شریف باہر رہ سکتا ہے اور نہ احادیث نبویہ اور نہ اہل ادب کی کتابوں میں سے کوئی کتاب۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۲)

نیز اس قسم کے سرقہ کے الزام کے بارے میں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

’’...بجز ایک پاگل آدمی کے کوئی خیال نہیں کرتا کہ یہ سرقہ ہے۔ انسان تو انسان خدا کے کلام میں بھی یہی پایا جاتا ہے۔ اگر بعض پُر فصاحت فقرے اور مثالیں جو قرآن شریف میں موجود ہیں شعرائے جاہلیت کے قصائد میں دیکھی جائیں تو ایک لمبی فہرست طیّار ہو گی اور ان امور کو محققین نے جائے اعتراض نہیں سمجھا۔‘‘ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد۱۸ صفحہ ۴۳۴)

آپ علیہ السلام کی بات سو فیصد درست ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کے بعض ایسے فقرات کے بارے میں بعض جلد باز مخالفین نے اعتراض کیے ہیں اور اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی بنا پر بعض عیسائی آنحضرت ﷺ پر جاہلیت کے زمانے کے قصائد سے سرقہ کا الزام عائد کرتے ہیں۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش ہیں۔

آیت قرآنیہ ﴿عَلَى اللهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ﴾ (النحل:۱۰) کو امرؤ القیس کے کلام کی نقل قرار دیا گیا ہے۔ امرؤ القیس نے کہا تھا:

وَمِنَ الطَّرِيْقَةِ جَائِرٌ وَهدى
قَصْد السَّبِيْل، وَمِنْهُ ذُو دَخل

(ديوان امرؤ القيس، صفحة ۱۳۱، ’’قافية اللام‘‘، دار الكتب العلمية بيروت ۲۰۰٤م)

اسی طرح قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ﴾ (الرحمٰن:۵۷)

اور امرؤ القیس کہتا ہے:

مِن القاصِراتِ الطَّرفِ، لو دبَّ مُحولٌ

من الذرِّ فوقَ الإتبِ مِنها لأثَّـــرَا

(ديوان امرئ القيس، صفحة ٦٥، ''قافية الراء''، دار الكتب العلمية بيروت ٢٠٠٤م)

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا يُبدِئُ البَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾ (سبا:٥٠)

اور ابن الابرص کہتا ہے:

أَقْفَرَ مِن أَهْلِـــهِ عَبِـــيدُ

فاليومَ لا يُبْدِي ولا يُعِيدُ

(الشعر والشعراء لابن قتيبة، صفحة ١٦٦، دار إحياء العلوم بيروت، ط٢، ١٩٨٦م)

پھر قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ عَذَابَها كَانَ غَرَامًا﴾ (الفرقان:٦٦)

ابن ابی خازم کہتا ہے:

وَيَوم النسَارِ وَيَوم الجفَارِ

كانَا عذابًا وكانَا غرامًا

(ديوان بشر بن أبي خازم الأسدي، صفحة ١٣٥، ''قافية الميم'' دار الكتاب العربي بيروت ١٩٩٤م)

قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (الرحمٰن:١٥)

اور امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے:

كَيْفَ الجحُودُ، وَإِنَّما خُلِقَ الْفَتى

مِنْ طِيْنٍ صَلْـصَالٍ لَهُ فَخَّـار

(ديوان أمية بن الصلت صفحة ٨٢، ''قافية الراء''، دار صادر بيروت ١٩٩٨م)

قرآن مجید میں ہے:

﴿مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾ (یٰس: ٧٩)

زہیر بن ابی سلمٰی نے کہا تھا کہ:

لَولَا تَسُبُّنِي الْعَرَبُ لَآمَنْتُ أَنَّ الَّذِيْ أَحْيَاكَ بَعْدَ يبِس سَيُحْيِيْ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْم.

(الملل والنحل، ج٣، الباب الثالث: آراء العرب في الجاهلية، الفصل الثاني: معتقداتهم)

زید بن عمرو بن نفیل نے کہا تھا کہ:

أسلمت وجـهي لمن أسلمت

له الأرض تحمل صخـراً ثقالاً

(بلوغ الأرب في معرفة أحوال العرب لمحمود شكري الألوسي البغدادي ج٢ ص ٢٥١)

اور قرآن شریف میں ہے:

﴿فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ﴾ (آل عمران: ٢١)

قرآن شریف میں ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ * اللهُ الصَّمَدُ * لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ (الإخلاص: ٢تا٤)

قس بن ساعدہ نے کہا تھا کہ:

كَلَّا بَلْ هُوَ اللّٰهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ
لَيْسَ بِمَولُودٍ وَلَا وَالِد

(الملل والنحل، ج۳، الباب الثالث: آراء العرب في الجاهلية، الفصل الثاني: معتقداهم)

قرآن کریم میں ہے:

﴿إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾ (قريش:۳)

نیز آتا ہے:

﴿قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَه﴾ (عبس:۱۸)

اورامرؤ القیس کے شعر میں آتا ہے کہ:

يَتَمَنَّى الْمَرْءُ فِي الصَّيْفِ الشِّتَا
فَإِذَا جَاءَ الشِّتَا أَنْكَرَه
فَهُوَ لَا يَرْضَى بِحَالٍ وَاحِدٍ
قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَه

(حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي، ج۹، ص۴۱۷، سورة العبس، رقم الآية: ۱۸)

قرآن کریم میں آتا ہے:

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (القمر:۲)

امرؤ القیس کا شعر ہے:

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ
عَنْ غَزَالٍ صَادَ وَنَفَر

نیز قرآن میں آتا ہے:

﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا * وأخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا﴾ (الزلزال:۲-۳)

جبکہ امرؤ القیس کہتا ہے:

إِذَا زُلْــزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْــزَالَهَا
وَأخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْــقَالَــهَا
تَقُومُ الأَنَــامُ عَــلَى رِسْلِــهَا
لِيَومِ الْحِــسَابِ تَرَى حَالــهَا
يُحَاسِــبُهَا مَــلِكٌ عَــادِلٌ
فَإِمَّــا عَلَــيْهَــا وَإِمَّــا لَــهَا

(فيض القدير شرح الجامع الصغير لعبد الرؤوف المناوي، جلد۲ صفحة ۱۸۷)

یہ وہ چند مثالیں ہیں جن کے بارے میں مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ یہ فقرات یا تراکیب قرآن کریم کے نزول سے پہلے معروف تھیں اور نعوذ باللہ محمد ﷺ نے وہاں سے چرا کر قرآن کریم میں شامل کرلیں۔ دوسرے معنوں میں وہ قرآن کریم کے پرانی کتب سے سرقہ ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ آج کے معترضین بھی انہی کی روش اختیار کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی کلام پر ایسے ہی اعتراضات کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر گذشتہ سطور میں مذکور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل کو

مدّ نظر رکھا جائے تو قدیم اشعار کی بعض تراکیب اور جملوں کا قرآن کریم میں آنا مورد اعتراض نہیں ٹھہرتا۔

لفظی اشتراک اور تضمین سرقہ نہیں

علامہ ابن رشیق اپنی کتاب العُمْدَةُ فِي مَحاسِنِ الشِّعْرِ وَآدَابِهِ میں لکھتے ہیں:

"وَمِمَّا يُعَدُّ سَرَقًا وَلَيْسَ بِسَرَق اشْتِراكُ اللَّفْظِ الْمُتعارَفِ كَقَوْلِ عَنْتَرَةَ."

یعنی الفاظ متعارفہ کا اشتراک سرقہ میں داخل نہیں ہے۔ اور پھر اس کی امثلہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جیسے عنترہ کا قول ہے:

وَخَيلٍ قَد دَلَفتُ لَهـــا بِخَيلٍ
عَلَيها الأُسدُ تَهتَصِرُ اِهتِصارا

اور قول عمرو بن معدیکرب یوں ہے:

وَخَيلٍ قَد دَلَفتُ لَها بِخَيلٍ
تَحِيّةُ بَينِهِمْ ضَرْبٌ وَجِيْعُ

اور قول خنساء یہ ہے:

وَخَيلٍ قَد دَلَفتُ لَها بِخَيلٍ
فَدَارَتْ بَيْنَ كَبْشَيْهَا رَحَاهَا

اسی طرح ایک اعرابی کا قول ہے:

وَخَيلٍ قَد دَلَفتُ لَها بِخَيلٍ
تُرى فُرسَانُها مثل الأَسْوَدِ

اور ان مثالوں کو درج کر کے ابن رشیق لکھتے ہیں کہ ''وأمثالُ هذا كثيرٌ'' یعنی ایسے لفظی اشتراک کی بے شمار مثالیں ہیں۔

(العمدة في محاسن الشعر وآدابه، باب السرقات وما شاكلها، ج٢ ص٢٩٢)

اس لفظی اشتراک کو توارد بھی کہا جاسکتا ہے اور ایسے توارد کی چند مزید مثالیں پیش ہیں۔

امرؤ القیس کہتا ہے:

إِنّي حَلَفتُ يَمينًا غَيرَ كاذِبَةٍ
أَنَّكَ أَقْلَفُ إِلاَّ ما جَنَى القَمَرُ

(ديوان امرئ القيس، صفحة ٨١، ''قافية الراء''، دار الكتب العلمية بيروت ٢٠٠٤م)

حضرت حسان بن ثابتؓ کہتے ہیں:

إِنّي حَلَفتُ يَمينًا غَيرَ كاذِبَةٍ
لَو كانَ لِلحارِثِ الجَفنِيِّ أَصحابُ

(ديوان حسان بن ثابت، ص٣٠ ''قافية الباء''، دار الكتب العلمية بيروت ٢٠٠٤م)

امرؤ القیس کہتا ہے:

كأنّ الحَصَى مِنْ خَلفِهَا وَأمامِهَا
إذا نجَلَته رِحلُها حَذْفُ أعسَرَا

(ديوان امرئ القيس، صفحة ٧٣، ''قافية الراء''، دار الكتب العلمية بيروت ٢٠٠٤م)

اور شماخ ذبیانی کہتا ہے:

لَهــا مَنسِمٌ مِثــلُ المَحــارَةِ خُفُّــهُ
كَأَنَّ الحَصى مِن خَلفِهِ خَذفُ أَعسَرا

(الشعر والشعراء لابن قتيبة، صفحة ٦٨، دار إحياء العلوم بيروت، ط٢، ١٩٨٦م)

پھر امرؤ القیس کہتا ہے:

سَليمِ الشَظى عَبلِ الشَوى شَنجِ النَّسا
لَهُ حَجَــباتٌ مُشرِفاتٌ عَلى الفــالِ

(ديوان امرئ القيس، صفحة ١٢٧، ''قافية اللام''، دار الكتب العلمية بيروت ٢٠٠٤م)

جبکہ درید بن الصمۃ کا شعر ہے:

سَليم الشَظى عَبل الشَوى شَنِج النَّسا
طَــوال القَــرا نَهــدٌ أَسيلُ المُقَــلَّدِ

(كتاب الصناعتين، لأبي هلال الحسن بن عبد الله، الباب التاسع، الفصل الخامس والعشرون في جمع المؤتلف والمختلف)

اور حضرت کعب بن زہیرؓ کہتے ہیں:

سليمَ الشَظى عَبل الشَوى شَنِج النَّسا
كَأَنَّ مَكانَ الرِدفِ مِن ظَــهرِهِ قَصرُ

(الشعر والشعراء لابن قتيبة، صفحة ٦٩، دار إحياء العلوم بيروت، ط٢، ١٩٨٦م)

اسی طرح امرؤالقیس کہتا ہے:

وُقوفًا بِها صَحبي عَلَيَّ مَطِيَّهُم
يَقولونَ لا تَهلِك أَسىً وَتَجَمَّلِ

(ديوان امرئ القيس، ص ١١٠، ''قافية اللام''، دار الكتب العلمية بيروت ٢٠٠٤م)

فرزدق (تابعی) کہتا ہے:

وُقوفًا بِها صَحبي عَلَيَّ وَإِنَّــما
عَرَفتُ رُسومَ الدارِ بَعدَ التَوَهُّمِ
يَقولونَ لا تَهلِك أَسىً وَلَقَد بَدَت
لَهُم عَبَراتُ المُستَــهامِ المُتَــيَّمِ

(ديوان فرزدق صفحة ٥٢٤ ''حرف الميم''، دار الكتب العلمية بيروت ١٩٨٧م)

* علامہ ابو ہلال عسکری اپنی مشہور و معروف تصنیف كتاب الصناعتين کے صفحہ ۱۴۷ پر لکھتے ہیں:

وَرُبَّمَا أَخَذَ الشّاعِرُ القَوْلَ المَشْهورَ وَلَمْ يُبالِ؛ كَمَا فَعَلَ النّابِغَة، فَإِنَّهُ أَخَذَ قَوْلَ وَهْبِ بْنِ الحَارِثِ ابْن زَهْرَةَ:

یعنی بسا اوقات شعراء کسی مشہور قول کو لے کر بلا مضائقہ اسے اپنے اشعار میں استعمال کر لیتے ہیں جیسے وھب بن الحارث بن زھرۃ کا یہ شعر ہے:

تَبْــدُو كَواكِبُــهُ والشَّــمْسُ طَالِعَــة
تُجْرَى عَلَى اَلْكاسِ مِنْهُ الْصابُ وَالْمقرُ

اس میں سے نابغہ نے پہلا مصرعہ لیتے ہوئے یہ شعر لکھا ہے:

تَبْدُو كَواكِبُهُ والشَّمْسُ طَالِعَة
لَا النّور نُورٌ وَلَا اَلْإِظْلام إِظْلامٌ

(كتاب الصناعتين أبو هلال الحسن بن عبد الله الباب السادس في حسن الأخذ الفصل الأول في حسن الأخذ)

ان ابیات میں جو صنف بیان ہوئی ہے اسے تضمین کہتے ہیں اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں بھی پائی جاتی ہے۔

اشتراک لفظی، تضمین اور توارد شعراء کے کلام میں کثرت سے پایا جاتا ہے اور اس میں سرقہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سطور بالا میں شعراء کے کلام میں سے دی گئی بعض مثالوں سے بات واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ابن رشیق ''العمدہ'' میں لکھتا ہے:

''وَسُئِلَ أَبُو عَمْرو بْنُ العَلاء: أَرَأَيْتَ الْشاعِرَينَ يَتَّفِقَانِ فِي المَعْنَى وَيتوَارْدَانِ فِي اللَّفْظِ لَمْ يَلْقَ واحِدٌ مِنْهُمَا صاحِبَهُ وَلَمْ يَسْمَعْ شِعْرَهُ؟ قَالَ:

تِلْكَ عُقولُ رِجال توَافَتْ عَلَى أَلْسنَتِها، وَسُئِلَ أَبُو الطَّيِّب عَنْ مِثْل ذَلِكَ فَقَالَ: الشِّعْرُ جادَّةٌ، وَرُبَّمَا وَقَعَ اَلْحافِرُ عَلَى مَوْضِعِ الْحافِرِ۔''(العمدة في محاسن الشعر وآدابه، باب السرقات وما شاكلها جزء ٢صفحة ٢٨٩)

یعنی ابو عمرو بن العلاء سے پوچھا گیا کہ آپ کا ایسے دو شعراء کے بارے میں کیا خیال ہے جن کی بعض شعروں میں لفظی اور معنوی توارد ہو جبکہ وہ دونوں آپس میں نہ کبھی ملے ہوں نہ ہی ایک نے دوسرے کے شعر کو سنا ہو؟ ابو عمرو بن العلاء نے جواب دیا کہ یہ لوگوں کے باہم ملتے جلتے افکار ہیں جو ان کی زبانوں سے ادا ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے مطابقت اختیار کر گئے۔

اور ابو الطیب المتنبی سے بھی اسی طرح کا سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ شعر کو بھی ایک راستہ ہی سمجھو۔ اور راستہ میں چلتے ہوئے بسا اوقات ایک گھوڑے کے قدم کے نشان پر اس کے بعد میں آنے والے گھوڑے کا قدم آن پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرے رب نے تین باتوں میں میری موافقت فرمائی، (۱) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کاش! ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنائیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا:

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ یعنی: مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ (۲) اور میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! کاش آپ ازواج مطہرات کو پردے کا حکم فرمائیں کیونکہ ان سے نیک اور بد ہر قسم کے لوگ کلام کرتے ہیں تو پردے کے حکم والی آیت نازل ہوئی۔ (۳) اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات نے آپس کی فطری غیرت کے باعث جب آپ ﷺ پر دباؤ ڈالا تو میں نے انہیں کہا ”اگر آنحضرت ﷺ آپ سب کو طلاق دے دیں تو قریب ہے کہ ان کا رب انہیں اور بیویاں عطا فرمادے جو آپ سے بھی بہتر ہوں۔“ تو یہی آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

اگر اس حدیث کے عربی الفاظ پڑھیں تو تجویز دیتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعینہٖ وہی الفاظ استعمال کئے ہیں جو بعد میں آیت کی صورت میں قرآن میں نازل ہوئے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ صحابہ سے اچھے اچھے خیالات لے کر بعد میں اسے وحی الٰہی بنا کر پیش کر دیتے تھے؟ یا وہی بات درست ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہے کہ وحی الٰہی میں کسی انسان کے کلام کا بھی توارد ہو سکتا ہے۔ اور اگر وحی الٰہی میں ایسا ہو سکتا ہے تو پھر انسان کے کلام میں تو بدرجہ اولیٰ ایسا ممکن ہے۔

افسوس کہ مسلمان معترضین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دشمنی میں ایسے اعتراضات کرنے سے بھی باز نہیں آتے جو ڈائریکٹ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ پر پڑتے ہیں۔ ایسے اعتراض کرنے والے آنحضرت ﷺ اور اسلام پر غیر مسلموں کے اسی طرح کے اعتراضات کے جواب دینے کا حق کھو چکے ہیں۔ اور یوں خدا تعالیٰ نے شاید ایسے اعتراضات کی پاداش میں ان سے اسلام کے دفاع کا حق چھین کر اپنے مسیح کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔

* دوسری اصولی بات: توارد اور اس کی ضرورت

چوری تو وہ ہوتی ہے کہ پوری کی پوری عبارتیں مع اس کے مطالب کے اٹھا کر اپنے نام سے شائع کر دی جائیں۔ لیکن اگر کوئی دس ہزار فقرات پر مشتمل ایک کتاب یا کئی کتب لکھتا ہے اور اس میں دس بارہ فقرے یا پچاس فقرے ایسے بھی آجاتے ہیں جن کی نظیر دوسری کتب میں موجود ہے، تو ایسی بات کو سرقہ کہنا سراسر جہالت ہو گی۔

اس کی وضاحت بھی حضور علیہ السلام نے خود فرمادی۔ فرمایا:

’’بیس ہزار فقرہ میں سے دس باراں فقرے جن میں سے کوئی آیت قرآن شریف کی اور کوئی عرب کی مثال اور کوئی بقول اُن کے حریری یا

ہمدانی کے کسی فقرہ سے توارد تھا۔ افسوس کہ اُن کو اس اعتراض کے کرتے ہوئے ذرہ شرم نہیں آئی اور ذرہ خیال نہیں کیا کہ اگر ان قلیل اور دو چار فقروں کو توارد نہ سمجھا جائے جیسا کہ ادیبوں کے کلام میں ہوا کرتا ہے اور یہ خیال کیا جائے کہ یہ چند فقرے بطور اقتباس کے لکھے گئے تو اس میں کون سا اعتراض پیدا ہو سکتا ہے؟'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۲)

توارد کیوں ضروری ہے؟

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر کسی کو لسان عربی میں کمال حاصل کرنے کا دعویٰ ہے اور کامل وسعت علمی حاصل ہے تو پھر توارد کی ایسی کیا ضرورت ہے؟

اس کا بھی جواب حضور علیہ السلام نے خود ہی دیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ توارد کیوں ہوتا ہے اور اس کی ضرورت کیونکر پڑتی ہے؟ فرمایا:

''بعض محاورات ادبیّہ کا کوچہ ایسا تنگ ہے کہ یا تو اُس میں بعض اُدباء کو بعض سے توارد ہو گا اور یا ایک شخص ایک ایسے محاورہ کو ترک کرے گا جو واجب الاستعمال ہے۔ ظاہر ہے کہ جس مقام پر خصوصیات بلاغت کے لحاظ سے ایک جگہ پر مثلاً اقْتَحَمَ کا لفظ اختیار کرنا ہے نہ اور کوئی لفظ تو اس لفظ پر تمام اُدباء کا بالضرور توارد ہو جائے گا اور ہر ایک کے مُنہ سے یہی لفظ نکلے

گا۔ ہاں ایک جاہل غبی جو اسالیبِ بلاغت سے بے خبر اور فروقِ مفردات سے ناواقف ہے وہ اس کی جگہ پر کوئی اور لفظ بول جائے گا اور اُدباء کے نزدیک قابل اعتراض ٹھہرے گا۔

ایسا ہی اُدباء کو یہ اتفاق بھی پیش آجاتا ہے کہ گو بیس شخص ایک مضمون کے ہی لکھنے والے ہوں جو بیس ہی ادیب اور بلیغ ہوں مگر بعض صورتوں کے ادائے بیان میں ایک ہی الفاظ اور ترکیب کے فقرہ پر اُن کا توارد ہو جائے گا۔ اور یہ باتیں ادباء کے نزدیک مسلّمات میں سے ہیں جن میں کسی کو کلام نہیں۔ اور اگر غور کرکے دیکھو تو ہر ایک زبان کا یہی حال ہے۔ اگر اُردو میں بھی مثلاً ایک فصیح شخص تقریر کرتا ہے اور اُس میں کہیں مثالیں لاتا ہے کہیں دلچسپ فقرے بیان کرتا ہے تو دُوسرا فصیح بھی اُسی رنگ میں کہہ دیتا ہے اور بجز ایک پاگل آدمی کے کوئی خیال نہیں کرتا کہ یہ سرقہ ہے۔ انسان تو انسان خدا کے کلام میں بھی یہی پایا جاتا ہے۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۳ تا ۴۳۴)

* تیسری اصولی بات: اقتباس ایک ملکہ ہے نہ کہ سرقہ!

تیسری اصولی بات یہ ہے کہ بڑے بڑے ادباء بھی اپنے ہم عصروں یا اپنے قدیم ادباء کے کلام سے اقتباس کرتے ہوئے اپنی کتب میں کسی مضمون کے تحریر

کرتے وقت چند جملے بطور اقتباس درج کر دیتے ہیں جو ہو سکتا ہے کہ پرانی کتب میں کسی اور مضمون کو ادا کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہوں لیکن اس نئے مضمون میں ایسے سلیقے سے پروئے جاتے ہیں کہ اس نئے مضمون کا ہی جزو بن جاتے ہیں اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ فقرات اسی مضمون کے لیے ہی لکھے گئے تھے۔

توارد اور اقتباس میں یہ فرق ہے کہ توارد بغیر علم کے کسی خاص موقع پر بعینہٖ وہی کلمات یا ترکیب یا محاورہ استعمال کرنا ہے جیسے کسی اور نے ماضی میں ویسی ہی یا اس سے ملتی جلتی صورت حال میں کیا۔ اور اس کی وجہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے یہ ہے کہ بعض محاورات ادبیّہ کا کوچہ ایسا تنگ ہے کہ اُس میں بعض اُدباء کو بعض سے توارد ہونا عین ممکن ہے۔

لیکن اقتباس بعض فقرات کا بعض پرانی معروف کتب یا معروف مصنفین کے کلام سے اقتباس کر کے اثنائے کلام اسے اپنے مضمون کا حصہ بنانا ہے۔

اقتباس کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ لکھنے والے کی قادرالکلامی اور علمی دسترس، وسعت معلومات اور کمال پر دلالت کرتا ہے اور اس پر بھی اعتراض محض جہالت کی وجہ سے ہی کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود وضاحت فرمادی چنانچہ فرمایا:

’’اگر... یہ خیال کیا جائے کہ یہ چند فقرے بطور اقتباس کے لکھے گئے، تو اس میں کون سا اعتراض پیدا ہو سکتا ہے؟ خود حریری کی کتاب میں بعض آیات قرآنی بطور اقتباس موجود ہیں۔ ایسا ہی چند عبارات اور اشعار دوسروں کے بغیر تغییر تبدیل کے اس میں پائے جاتے ہیں اور بعض عبارتیں ابوالفضل بدیع الزمان کی اس میں بعینہٖ ملتی ہیں۔ تو کیا اب یہ رائے ظاہر کی جائے کہ مقامات حریری سب کی سب مسروقہ ہے؟‘‘ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۳)

اقتباس ایک بہت مشکل امر ہے اور سوائے قادر الکلام حضرات کے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اقتباس کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں ان میں سے اول نمبر پر وسعت علمی آتی ہے۔ یعنی آپ کسی تحریر کے دوران کسی پرانے مؤلف کے کلام سے اقتباس تبھی کر سکتے ہیں جب آپ نے ایسے مؤلفین کی کتب کو اتنے غور سے پڑھا ہو کہ ان کے فقرات کے فقرات آپ کو مستحضر ہوں اور جب آپ کوئی مضمون لکھنے لگیں تو بعض مفاہیم کے مناسب حال پرانے ادباء کی کتب کے فقرات خود بخود آپ کی نوکِ قلم پر آجائیں۔

یہ ایک ایسا ملکہ ہے کہ جو لکھاری جس قدر اپنے کلام میں اقتباس کرے گا اسی قدر یہ بات اس کی وسعت علمی پر دلالت کر رہی ہو گی اور ثابت ہو گا

کہ اس شخص نے مختلف مؤلفین کی کتب کو کھنگالا ہے اوران کتب کے کئی ہزار جملے اسے زبانی یاد ہیں جنہیں وہ جب چاہے اور جیسے چاہے اپنے مضمون کے دوران نئے مفاہیم کی ادائیگی کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اسی لیے بعض محققین نے اقتباس اور تناص میں کوئی فرق نہیں کیا اور اس قسم کے اقتباس کو تناص یعنی ایک نئی نص قرار دیا ہے۔ یعنی گو کہ کلمات تو پرانے کسی ادیب کے ہیں لیکن چونکہ وہ الفاظ نئے مضمون میں ایک نیا مفہوم ادا کر رہے ہیں اس لیے یہ ایک نئی نص ہے۔

اور بلا شبہ ایسی قدرت رکھنا تو بہت مشکل کام اور ایک بے مثال ملکہ ہے۔ یہ بات بھی حضور علیہ السلام نے خود ہی بیان فرمائی ہے چنانچہ فرمایا:

''ادیب جانتے ہیں کہ ہزارہا فقرات میں سے اگر دوچار فقرات بطور اقتباس ہوں تو اُن سے بلاغت کی طاقت میں کچھ فرق نہیں آتا بلکہ اس طرح کے تصرّفات بھی ایک طاقت ہے..... نادان انسان کو اگر یہ بھی اجازت دی جاوے کہ وہ چُرا کر ہی کچھ لکھے تب بھی وہ لکھنے پر قادر نہیں ہو سکتا کیونکہ اصلی طاقت اُس کے اندر نہیں۔ مگر وہ شخص جو مسلسل اور بے روک آمد پر قادر ہے اس کا تو بہر حال یہ معجزہ ہے کہ اُمور علمیہ اور حکمیّہ اور معارف حقائق کو بلاتوقف رنگین اور بلیغ فصیح عبارتوں میں بیان کر

دے، گو محل پر چسپاں ہو کر دس ہزار فقرات بھی کسی غیر کی عبارتوں کا اُس کی تحریر میں آ جائے۔ کیا ہر یک نادان غبی بلید ایسا کر سکتا ہے؟''
(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۴۳)

اگر ایسا بر محل اقتباس کرنے والا دس ہزار فقرے کا بھی اقتباس کر لے تب بھی وہ اس کا کمال شمار ہو گا۔ لیکن جس کا یہ دعویٰ ہو کہ اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے وسعت علمی عطا ہوئی ہے اس کے کلام میں اقتباس جیسی صنف کا اظہار نہ ہو تو عیب شمار ہو گا۔ ایسے کمال کے اظہار پر اعتراض کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے اور دیگر ادباء کے اقتباس یا تناص میں فرق

علم بلاغت پر لکھنے والوں کا اقتباس یا تناص اور تضمین کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اس کو سرقہ قرار دیتے ہیں اور بعض اس کو بلاغت کی ایک اعلیٰ صنف سمجھتے ہیں۔ ان کی بات کو سمجھنے کے لیے اگر دو امور کا فرق واضح کر دیا جائے تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور فریقین کی بات اپنی اپنی جگہ پر درست ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی اقتباس کرتے ہوئے کسی پرانے ادیب کے کلام کو اس کی نص اور مفہوم سمیت اٹھا لے اور اس کا حوالہ دیے بغیر اپنے نام سے اپنی کتاب میں لکھ لے تو اسے بلاشبہ سرقہ قرار دیا جائے گا۔

جبکہ اگر کوئی پرانے ادیب کا کوئی جملہ اپنے مضمون کے سیاق کلام میں اس طرح لکھے کہ اس جملہ کا معنی بالکل بدل جائے اور یہ جملہ اس کاتب کے نئے مضمون کا حصہ بن جائے تو اسے سرقہ نہیں بلکہ اقتباس یا تناص کہا جائے گا، جسے محققین ایک فن اور قادر الکلامی شمار کرتے ہیں۔

لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباس کو جو چیز پوری دنیا کے تمام ادباء کے اقتباس سے ممتاز کرتی ہے وہ حضور علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ میرا اقتباس، کسب کردہ علم اور ذاتی کوشش سے نہیں ہے، بلکہ وہ خدا کی دین ہے کہ بعض اوقات کسی پرانے ادیب یا شاعر کا کوئی فقرہ دوران مضمون ایسے آجاتا ہے کہ وہ اس مضمون کا حصہ بن جاتا ہے نیز اکثر اوقات تو ایسے فقرات میرے لیے علم غیب ہے جس پر اللہ تعالیٰ مجھے اطلاع دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے ایسے فقرات کسی کے علم میں ہوں کہ فلاں کتاب سے ہیں لیکن میں لکھتے وقت نہیں جانتا کیونکہ یہ مجھے خدا کی عطا سے مل رہے ہوتے ہیں، اس لیے میرے لیے وہ علم غیب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور یہ بات اقتباس کرنے والے کسی ادیب کے حصے میں نہ آئی ہے نہ آسکتی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا:

’’بارہا بعض امراض کے علاج کے لئے مجھے بعض ادویہ بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہیں قطع نظر اس سے کہ وہ پہلے مجھ سے جالینوس کی کتاب میں لکھی گئی

ہیں یا بقراط کی کتاب میں۔ ایسا ہی میری انشاء پردازی کا حال ہے۔ جو عبارتیں تائید کے طور پر مجھے خدائے تعالیٰ سے معلوم ہوتی ہیں مجھے اُن میں کچھ بھی پروا نہیں کہ وہ کسی اور کتاب میں ہوں گی بلکہ وہ میرے لئے اور ہر یک کے لئے جو میرے حال سے واقف ہو معجزہ ہے۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۴ حاشیہ)

نیز فرمایا: ''عربی تحریروں کے وقت میں صدہا بنے ہوئے فقرات وحی متلو کی طرح دِل پر وارد ہوتے ہیں اور یا یہ کہ کوئی فرشتہ ایک کاغذ پر لکھے ہوئے وہ فقرات دکھا دیتا ہے اور بعض فقرات آیات قرآنی ہوتے ہیں یا اُن کے مشابہ کچھ تھوڑے تصرف سے۔ اور بعض اوقات کچھ مُدّت کے بعد پتہ لگتا ہے کہ فلاں عربی فقرہ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے برنگ وحی متلو القا ہوا تھا وہ فلاں کتاب میں موجود ہے. چونکہ ہر ایک چیز کا خدا مالک ہے اس لئے وہ یہ بھی اختیار رکھتا ہے کہ کوئی عمدہ فقرہ کسی کتاب کا یا کوئی عمدہ شعر کسی دیوان کا بطور وحی میرے دل پر نازل کرے.....مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہی عادت اللہ میرے ساتھ ہے اور یہ نشانوں کی قسم میں سے ایک نشان ہے جو مجھے دیا گیا ہے جو مختلف پیرایوں میں امور غیبیہ میرے پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور میرے خدا کو اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں کہ کوئی کلمہ جو

میرے پر بطور وحی القا ہو وہ کسی عربی یا انگریزی یا سنسکرت کی کتاب میں درج ہو کیونکہ میرے لئے وہ غیب محض ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بہت سے توریت کے قصّے بیان کرکے ان کو علم غیب میں داخل کیا ہے کیونکہ وہ قصّے آنحضرت ﷺ کے لئے علمِ غیب تھا گو یہودیوں کے لئے وہ غیب نہ تھا۔ پس یہی راز ہے جس کی وجہ سے مَیں ایک دنیا کو معجزہ عربی بلیغ کی تفسیر نویسی میں بالمقابل بلاتا ہوں ورنہ انسان کیا چیز اور ابن آدم کی کیا حقیقت کہ غرور اور تکبر کی راہ سے ایک دنیا کو اپنے مقابل پر بُلاوے۔'' (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۵-۴۳۶)

خلاصہ یہ کہ ادباء کے نزدیک معروف اقتباس، کسب کردہ علم سے آتا ہے اور جو اقتباس کر رہا ہوتا ہے اسے علم ہوتا ہے کہ وہ کس ادیب کا کتنا قول اور کلام اقتباس کے طور پر اپنے مضمون میں درج کر رہا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقتباس خداداد ملکہ ہے کیونکہ اکثر آپ کو لکھتے وقت معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ فقرہ یا فقرات فلاں مؤلف کے ہیں یا فلاں کتاب سے ہیں بلکہ وہ آپ کے لیے علم غیب کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ فلاں فقرہ فلاں کتاب میں بھی ہے۔ اور اقتباس کی یہ نوعیت اپنی ذات میں یکتا ہے جو صرف اور صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خاصہ ہے۔

حضور علیہ السلام کی انشاء پردازی اور حریری کی تحریرات

حضور علیہ السلام نے اکثر اپنی عربی کتب میں مسجع و مقفّیٰ عبارتیں لکھی ہیں جو کہ بلاغت کی ایک اعلیٰ قسم ہے لیکن اسلامی دور میں مختلف ادباء کی طرف سے یہ صنف محض قصے کہانیوں اور فضول طریق پر استعمال ہوئی۔ حضور علیہ السلام کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربی زبان میں کمال عطا فرمایا ہے۔ یوں جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت محمدیہ کے مجدد اعظم کے طور پر مبعوث فرمایا وہاں اس الہامی زبان بلکہ ام الألسنہ کی بلاغت کی بعض اعلیٰ اصناف کی تجدید بھی آپ کے ذریعہ سے ہوئی۔

چنانچہ آپؑ نے نہ صرف عربوں کے بھولے بسرے الفاظ اور مفردات کو اپنی کتاب سیرۃ الابدال وغیرہ میں درج کرکے ان کو پھر زندہ کردیا بلکہ عربوں کی بعض متروک لغات اور اسالیب کو بھی اپنی تحریر میں استعمال کر کے انہیں دوبارہ شناخت عطا کی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؑ نے اپنی تحریرات میں اس بات کے واضح اشارے چھوڑے ہیں کہ کسی ایک انسان کے لیے اپنی ذاتی جدّوجہد اور کوشش سے ان تمام امور کا سیکھنا اور پھر انہیں سیاقِ عبارت میں برمحل استعمال کرنا بغیر خدائی عنایت کے ممکن نہیں ہے۔ اس بارے میں حضور علیہ السلام کی یہ تحریر ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

’’ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشاء پردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے تا معارفِ حقائقِ قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کریں اور وہ بلاغت جو ایک بیہودہ اور لغو طور پر اسلام میں رائج ہو گئی تھی اس کو کلام الٰہی کا خادم بنایا جائے۔‘‘ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۷)

حریری اور حضور علیہ السلام کے اسلوب میں نمایاں فرق یہ ہے کہ حریری نے معانی کو الفاظ کا تابع کیا یعنی الفاظ کی بناوٹ کا خیال رکھا تا جملوں کا وزن اور ردھم قائم رہے اور سجع بنی رہے خواہ الفاظ کی رعایت رکھتے رکھتے وہ معنی جو اس کے ذہن میں ہے کیسا ہی قبیح یا فرسودہ ہو جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ ایک معین معنے کو تبدیل کیے بغیر مسجع مقفیٰ الفاظ کی لڑی میں پرونے سے قاصر تھا بلکہ الفاظ کی لڑی اور ترتیب کو قائم رکھنے کی خاطر اس نے معنے اور مغز کا ستیاناس کر دیا۔ اس لیے حریری کی کتب اور عبارات ظاہری الفاظ کی بناوٹ کے اعتبار سے تو ادبی رنگ ضرور رکھتی ہیں لیکن معنے کے حساب سے نہایت فرسودہ ہیں۔ اس کے بالمقابل حضور علیہ السلام نے اعلیٰ ادبی عبارات اور مسجع و مقفیٰ تحریرات میں اعلیٰ درجے کے مفاہیم اور معارف کو پرویا ہے جس نے سونے پہ سہاگے کا کام کیا۔

حضور علیہ السلام نے نہ صرف اس فرق کو خود بیان فرمایا بلکہ اس کے بالمقابل اپنے دعویٰ کو بھی نمایاں طور پر پیش کیا۔ فرمایا:

’’مقامات حریری بڑی عزّت کے ساتھ دیکھی جاتی ہے حالانکہ وہ کسی دینی یا علمی خدمت کے لئے کام نہیں آسکتی کیونکہ حریری اِس بات پر قادر نہیں ہو سکا کہ کسی سچے اور واقعی قصہ یا معارف اور حقائق کے اسرار کو بلیغ فصیح عبارت میں قلمبند کرکے یہ ثابت کرتا کہ وہ الفاظ کو معانی کا تابع کر سکتا ہے۔ بلکہ اُس نے اوّل سے آخر تک معانی کو الفاظ کا تابع کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ وہ ہرگز اس بات پر قادر نہ تھا کہ واقعہ صحیحہ کا نقشہ عربی فصیح بلیغ میں لکھ سکے۔ لہٰذا ایسا شخص جس کو معانی سے غرض ہے اور معارف حقائق کا بیان کرنا اُس کا مقصد ہے وہ حریری کی جمع کردہ ہڈیوں سے کوئی مغز حاصل نہیں کر سکتا۔‘‘ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۳)

اس ساری بحث پر نظر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی عربی زبان کے دعویٰ کے اعتبار سے اوراس پر ہونے والے اعتراضات کے بارے میں کس قدر واضح موقف پر قائم تھے اور آپ کو ان اعتراضات کے مآخذ اور اسباب کا مکمل علم تھا۔ اور ان کے جوابات کے بنیادی نکات آپ کے سامنے واضح اور عیاں تھے۔ اور وہ نقطہ جس تک پہنچنے کے لیے

ہم دسیوں کتب کو کھنگالتے ہیں اس کا اشارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قبل ازیں ہی اپنے کلام میں محض ایک ایک جملے میں ہمیں عطا فرما دیا تھا۔

یہ خدائی تقدیر ہے کہ وقتاً فوقتاً معترضین کی طرف سے اعتراضات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کی بنا پر افراد جماعت کو اس بارے میں تحقیق اور غور وفکر کرنے کی توفیق ملتی ہے اور بالآخر انہی اعتراضات کے مقامات کی تہ میں موجود علم ومعارف کے سمندر اور اعلیٰ نکات تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اسلامی تعلیمات پر اعتراض کرنے والوں کے بارے میں مندرجہ ذیل قول آپ کی عربی دانی پر نکتہ چینی کرنے والوں کے متعلق بھی درست ثابت ہوتا ہے کہ:

’’یہ اعتراضات تو کوتاہ اندیشوں اور نادانوں کی نظر میں اعتراض ہیں۔ مگر مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے جہاں ان اعتراضات کو شمار کیا وہاں یہ بھی غور کیا ہے کہ ان اعتراضات کی تہ میں دراصل بہت ہی نادر صداقتیں موجود ہیں جو عدم بصیرت کی وجہ سے معترضین کو دکھائی نہیں دیں اور درحقیقت یہ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جہاں نابینا معترض آکر اٹکا ہے وہیں حقائق و معارف کا مخفی خزانہ رکھا ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد ا صفحہ ۵۹-۶۰، ایڈیشن ۱۹۸۵ء مطبوعہ انگلستان)

اوپر کی بحث پر غور کرنے سے اجمالی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے تمام اہم اعتراضات کا خود بخود ردّ ہو جاتا ہے۔ اور اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان کے بارے میں آپ کے دعویٰ کا صحیح علم ہو جائے اور اسے مفصل طریق پر پیش کر دیا جائے تو ان سابقہ اعتراضات کے علاوہ نئے اعتراضات کا جواب دینے میں بھی آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک **نیا اعتراض** یہ ہوا ہے کہ:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ کے شروع میں تقریباً ڈیڑھ صفحہ کا عربی زبان میں تمہیدی نوٹ لکھا ہے۔ اسے پڑھ کر بعض جلد باز معترضین کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے عربی زبان سیکھنے کا اعلان تو کئی سال بعد کا ہے جبکہ براہین کے زمانے سے آپ تو اچھی عربی جانتے تھے۔ اس لیے الہامی طور پر عربی سیکھنے کا اعلان ذہن کی اختراع ہے۔

الجواب: سبحان اللہ۔ ایک طرف اعتراض ہے کہ آپ علیہ السلام کی تمام تحریریں مسروقہ ہیں اور دوسری طرف اعتراف کہ حضور علیہ السلام دعویٰ سے پہلے ہی اچھی عربی جانتے تھے۔ یہ اعتراض اسی طرح کا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں بعض معترضین نے کیا جب انہوں نے ایک طرف سرقہ شدہ عبارتیں استعمال کرنے کا الزام لگایا تو دوسری طرف یہ اعتراض کیا کہ شامی اور عربی اشخاص سے یہ کتب لکھوائی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں کمال عطا ہونے سے پہلے جو عربی آتی تھی وہ وہی تھی جو اس زمانہ میں مدرسوں وغیرہ میں پڑھائی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں مدارس میں صرف و نحو کی کچھ کتابیں دیوان حماسہ کا کچھ حصہ، متنبی کے بعض قصائد، سبعہ معلقات اور مقامات حریری میں سے کچھ حصے پڑھائے جاتے تھے اور آج کل بھی یہی حال ہے۔ اگر انہی کتابوں کو پڑھ کر فصیح و بلیغ عربی میں کتب لکھی جاسکتی ہیں تو یہ تو اس زمانہ میں ہر مولوی نے پڑھی ہوئی تھیں۔ پھر کیوں نہ اس زمانہ میں مولوی اٹھ کر مقابلے میں آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں عربی زبان میں کتب لکھنے کا چیلنج قبول کیا؟

ایسی عربی کے بارہ میں تو حضور علیہ السلام نے خود ہی فرمایا ہے کہ مجھے قبل ازیں ہی معمولی عربی زبان آتی تھی جسے علمیت نہیں کہا جاسکتا تھا۔

(ملخص از نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۱۰۷)

جس عربی کا آپؑ نے دعویٰ کیا ہے وہ عربی زبان میں کامل وسعت علمی اور لغاتِ عرب اور مختلف محاوروں واستعمالات اور جذور کے سکھائے جانے کا دعویٰ ہے۔ اور عام فہم اچھی عربی زبان کو اس دعویٰ سے کوئی

نسبت ہی نہیں کیونکہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ اپنی کوشش سے عربی زبان کے اس قدر علوم حاصل کر سکے جن کا احاطہ کرنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کسی نبی کا کام ہے۔

خلاصہ یہ کہ عربی زبان کے خدا داد علم کے دعویٰ سے پہلے آپ کی عربی زبان جس قدر بھی اچھی ہو اسے اس زبان سے کوئی نسبت نہیں جو آپؑ کو الہاماً سکھائی گئی اور جس کے جوہر آپؑ نے معارف کے بیان میں اپنی کتب میں دکھائے اور جس کے بارے میں مخالفین کو مقابل پر آنے کی دعوت دی۔

اسی طرح بعض محنتی معترضین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب کے ہر ہر جملے کو لے کر ادب کی مختلف کتب سے تلاش کیا اور جہاں کہیں اس جملے کے ایک دو کلمات بھی اکٹھے ملے وہیں پر فوراً لکھ دیا کہ یہ جملہ اس کتاب سے چوری کیا گیا ہے۔ اور یوں تصویر یہ پیش کی گئی کہ جیسے حضور علیہ السلام نے ایک کمرے میں بدیع الزمان الھمذانی کے ۵۲ مقامات اور ابو محمد القاسم الحریری کے ۵۰ مقامات اور معلقات کے جملہ قصائد اور حماسہ کے قصائد نیز دیگر کتب ادب کھول کر صبح سے شام بیٹھے رہتے تھے اور ان کتب کے ورق الٹتے جاتے تھے اور ایک فقرہ ایک

مقامے سے اور دوسرا دوسرے مقامے سے لیتے جاتے تھے، نیز کبھی معلقات سے اور کبھی حماسہ سے اور کبھی کسی اور کتاب سے اچھے الفاظ اور تراکیب اور جملے نوٹ کرتے جاتے اورآخر پر ان جملوں کو جمع کر کے کتاب بنا کر چھاپ دیتے تھے۔

جیسا کہ واضح ہے کہ اس طریق پر ایسی کتب تالیف نہیں ہو سکتیں جنہیں بطور چیلنج پیش کیا جا سکتا ہو۔

آج جبکہ کمپیوٹر پر ایسے پروگرام میسر ہیں جن میں کئی کئی ہزار کتب موجود ہیں اور محض چند سیکنڈز میں تمام کتب میں کسی لفظ یا جملے یا موضوع کے بارے میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ لیکن آج سے سوا سو سال قبل ایسا سوچنا بھی ناممکن تھا۔ تاہم اگر فرض کر لیا جائے کہ آپ ایسا کر سکتے تھے تو یہ سہولت تو تمام مخالفین کے پاس بھی تھی۔ سارے مولوی مل کر اگر ایک ایک فقرہ بھی لکھتے تو اس طرح کی کئی کتابیں بن سکتی تھیں۔ پھر انہیں حضور علیہ السلام کے بالمقابل آنے کی جرأت کیوں نہ ہوئی؟ یا اگر ان کے لیے مشکل تھا تو آج تو یہ آسان ہو گیا ہے۔ پھر آج یہ معترضین کیوں ایسی کوئی کتاب لکھنے سے قاصر ہیں جبکہ دنیا کی ساری اچھی کتب سے چند سیکنڈز میں اچھے اچھے جملے اور الفاظ تلاش کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا ہے۔

علاوہ ازیں جو لکھنے والے ہیں وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ مضمون خاص کی بحث میں سرقہ کا دروازہ بہت تنگ ہوتا ہے۔ اگر آپ نے کسی خاص مضمون کو لکھنا ہے تو مضمون کے ساتھ ساتھ چلنے کے لیے آپ کو کئی مفردات اور جملے چھوڑنے پڑیں گے چاہے وہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں کیونکہ مضمون کی ادائیگی میں صرف وہی جملہ استعمال ہو سکتا ہے جو اس مضمون کا معنی ادا کرتا ہے۔ لیکن جو شخص الفاظ کی بندش کا خیال رکھے گا اسے مضمون سے ہاتھ دھونے پڑیں گے جیسے کہ حریری نے کیا۔

ان تمام حقائق کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایسے کاموں کے لیے فرصت کتنی تھی؟ آپ کو ذیابیطس اور دوران سر کا عارضہ تھا۔ روزانہ احمدی اور غیر احمدی مسلم اور غیر مسلم افراد آپ کو ملنے آتے تھے۔ اکرام ضیف کے تحت سب کے ساتھ ملاقاتیں کرنا، ان کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام کرنا یا ایسے انتظامات کا خیال رکھنا، ان کے ساتھ گفتگو کرنا اور ان کے اعتراضات اور سوالات کے جوابات دینا، موافقین اور مخالفین کی طرف سے روزانہ خطوط کا آنا جن کی تعداد پانچ صد ماہوار تک پہنچ جاتی تھی، پھر تمام خطوط کے جواب لکھوانا اور بعض اوقات کسی خط کے جواب میں ایک مکمل اور مبسوط مضمون لکھوانا، پھر موافقین

و مخالفین کے مضامین کا پڑھنا یا دوسروں سے ان کے مضامین سننا، اس کے ساتھ ساتھ کبھی عیسائیوں کے اسلام پر حملے کے جواب میں مبسوط کتب تالیف فرمانا تو کبھی ہندوؤں اور آریہ کے اعتراضات کے جواب میں مضامین و کتب لکھنا، کبھی اشاعت اسلام کے لیے اعلانات تحریر کر کے چھپوانا اور کبھی اعلائے کلمہ حق کے لیے مناظرات اور مباحثات میں شمولیت اختیار کرنا، اور مختلف سفر اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے کام تھے جن میں مصروف شخص کے پاس ایسی فرصتیں کہاں کہ کتابیں کھول کر ان میں سے جملے نکالے جائیں۔ پھر خدمت خلق کے کام ان دینی مہمات کے علاوہ تھے۔ اور یہ سب کام ایسے گھر میں اور ایسی بستی میں بیٹھ کر سرانجام دینا جس میں اس وقت نہ بجلی تھی نہ کوئی سہولت۔ جہاں گرمیوں کے موسم میں شدید گرمی اور سردیوں کے موسم میں شدید سردی ہوتی ہے۔ ایسی صورت حال میں بڑھاپے اور بیماریوں، کمزوری اور بے شمار مصروفیات کے دوران حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فصیح و بلیغ عربی میں بیس سے زائد کتب لکھنا اور ان میں سینکڑوں شعروں پر مشتمل قصائد بھی تحریر فرمانا یقیناً اپنی ذات میں ایک عظیم معجزہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ معترضین اور مخالفین جب حضور علیہ السلام کے بالمقابل عربی دانی کے جوہر دکھانے سے عاجز آ گئے تو کبھی کہا کہ یہ کلام اغلاط سے پر ہے اور

نہایت ضعیف عربی لکھی ہے اور کبھی اپنی بات کے ہی برعکس یہ کہہ دیا کہ ان کتب میں بہت اچھے اچھے ادبی فقرات اور بلیغ تراکیب ہیں اس لیے ہو نہ ہو یہ کتب پرانی کتب سے سرقہ کر کے لکھی گئی ہیں، اور جب یہ بات بھی نہ بنی تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ کوئی شامی یا عربی ان کو یہ کتب لکھ کر دیتا ہے۔ ان سب باتوں کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب جواب دیا۔ فرمایا:

”اس خیال میں میرے مخالف سراسر سچ پر ہیں کہ یہ اس شخص کا کام نہیں کوئی اور پوشیدہ طور پر اس کو مدد دیتا ہے سو میں گواہی دیتا ہوں کہ حقیقت میں ایک اور ہے جو مجھے مدد دیتا ہے لیکن وہ انسان نہیں بلکہ وہی قادر و توانا ہے جسکے آستانہ پر ہمارا سر ہے۔“ (اعجاز المسیح روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲)

نیز فرمایا:

اُنْظُرْ إِلَى أَقْوالِهِمْ وَتَناقُضٍ
سَلَبَ العِنادُ إِصابَةَ الْآرَاءِ
طَوْرًا إِلَى عَرَبٍ عَزَوْهُ وَتَارَةً
قَالُوا كَلامٌ فاسِدُ الإِمْلَاءِ
هَذَا مِنَ الرَّحْمنِ يَا حِزْبَ العِدا
لَا فِعلَ شَامِيٍّ وَلَا رُفَقَائِي

(الاستفتاء، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۷۲۶)

ترجمہ:تُو ان کی باتوں اور ان میں موجود تضاد کو دیکھ کہ کس طرح دشمنی نے ان سے درست بات کہنے کی طاقت بھی سلب کر لی ہے۔

کبھی تو میرے کلام کو کسی عرب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ اس کی تو املا ہی فاسد ہے۔

اے گروہِ دشمناں! یہ تو خدائے رحمان کی طرف سے ہے۔ نہ کسی شامی کا کام ہے نہ ہی میرے رفقاء کا۔

خلاصہ بحث

اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر مولوی اصغر علی صاحب نے بھی حضرت بانی جماعت احمدیہ کی عربی دانی پر اعتراض کیا اور اپنے خط میں انہی اعتراضات کا ذکر کیا جو اس وقت کے مولوی حضرات اور حضور علیہ السلام کے دیگر مخالفین کی زبانوں پر تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مورخہ ۳؍ اپریل ۱۸۹۴ء کو اس مکتوب کا مفصل جواب دیا جس میں مختصر مگر جامع انداز میں ان تمام اعتراضات کے جوابات عطا فرمائے۔ ذیل میں ہم حضور علیہ السلام کے اس جامع ومانع جواب کو اس سارے مضمون کے خلاصۂ بحث کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد ہذا آپ کا عنایت نامہ مجھ کو ملا۔ آپ کی یہ صفت قابل تعریف ہے جو آپ اس گروہ میں سے نہیں ہیں جو محض جلد باز ہیں اور تعصب کے رو سے ایک مسلمان کانام کافر اور دجال اور بے ایمان بلکہ اکفر کہتے ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ آپ کی تحریر اس غرض سے تھی کہ بعض مقامات پر حمامۃ البشریٰ میں صرفی یا نحوی یا عروضی غلطی ہے۔ اور نیز آپ کی دانست میں بعض مضامین یا فقرات یا اشعار اس کے

چرائے گئے ہیں۔ سو عزیز من! اس کے جواب میں یہ گزارش ہے کہ یہ عاجز نہ ادیب، نہ شاعر اور نہ اپنے تئیں کچھ چیز سمجھتا ہے اور نہ اس شغل میں کوئی حصہ عمر کا بسر کیا ہے۔ اور نہ ان عبارتوں اور اشعار کے لکھنے میں کوئی معتد بہ وقت خرچ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ تحریریں معمولی خطوں کی طرح اپنی اوقات معمورہ میں سے ہر روز ایک دو گھنٹہ نکال کر لکھی گئی ہیں۔ اور ساتھ ساتھ کاپی نویس لکھتا گیا۔ اور اگر کبھی اتفاقاً پورا دن ملا تو ایک ایک دن میں سو سو شعر طیار ہو گیا۔ اور وہ بھی پورا دن نہیں کیونکہ اگر آپ اس جگہ آکر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ دن رات کس قدر مشغولی ہے۔ خطوط کا یہ حال کہ کبھی تین سو کبھی چار سو کبھی پانچ سو ماہوار آجاتا ہے۔ اور بعض خطوط کا جواب رسالہ کی طرح لکھنا پڑتا ہے۔ مہمانداری کا یہ حال ہے کہ ایک جہان توجہ کر رہا ہے ایک قافلہ مہمانوں کا ہمیشہ رہتا ہے۔ اور عجیب عجیب صاحب کمال، مدنی، شامی، مصری اور اطراف ہندوستان سے آتے ہیں۔ اور بباعث رعایت حقِّ ضیف بہت حصہ وقت کا ان کو دینا پڑتا ہے۔ عمر کا یہ حال ہے کہ پیرانہ سالی ہے۔ ضعیف الفطرت ہوں علاوہ اس کے دائم المریض اور ضعف دماغ کا یہ حال ہے کہ کتاب دیکھنے کا اب زمانہ نہیں جو کچھ خیال میں گزرا وہ لکھ دیا یا لکھا دیا۔

دورانِ سر لاحقِ حال ہے۔ ادنیٰ محنت سے گو فکر اور سوچ کی محنت ہو، مرضِ راس دامنگیر ہو جاتا ہے۔ عمرِ اخیر ہے، مرگ سر پر، تکبر اور ناز جو لوازم جوانی اور جہل ہیں کچھ تو ضعف اور پیرانہ سالی نے دور کر دیے تھے اور بقیہ ان کا اس معرفت نے دور کر دیا جو فیاض مطلق نے عطا فرمائی۔

اب ان حالات کے ساتھ آپ سوچ سکتے ہیں کہ اگر کسی تالیف میں غلطی جو لازم بشریت ہے پائی جاتی ہے تو کیا بعید ہے؟ بلکہ بعید تو یہ ہے کہ نہ پائی جائے۔ بہت سے نیک دل اور پرہیز گار اس جگہ رہتے ہیں۔ اور نوبت بہ نوبت اچھے علماء اور ادیب آتے رہتے ہیں اور ایک قافلہ بزرگوں کا لازمِ غیر منفک کی طرح اس جگہ رہتا ہے۔ ان سے آپ دریافت کر سکتے ہیں کہ اس عاجز کی طرز تالیف کیا ہے۔ اگر آپ دریافت کریں گے تو آپ پر بھی ثابت ہو گا کہ تالیفات ایک خارق عادات طور پر ہیں۔ میری عمر کا یہ تجربہ نہیں کہ کوئی انسان بجز خاص تائیدات الٰہی کے باوجود اس ضعف اور دامن گیر ہونے انواع و اقسام کے امراض کے اور باوجود اس کثرت شغل خطوط اور ایمانداری کے پھر یہ فرصت پا سکے کہ بہت سا حصہ نثر موزون کا جو بعض اوقات قریب قریب ایک جزو کے ہوتی ہے۔ معہ ان اشعار کے جو بعض اوقات سو سو بلکہ سو سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں، بتیس پہر میں لکھ

دے؛ اگر آپ کا کوئی تجربہ ہو تو میں آپ سے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتا۔ اور نہ میں اپنے نفس کو کوئی چیز سمجھتا ہوں۔

باوجود ان سب اسباب کے کبھی مجھ کو موقعہ نہیں ملتا کہ جو کچھ لکھا ہے سوچ کی نظر سے اس کو دیکھوں۔ پھر اگر اس طور کی تحریروں میں اگر کوئی صرفی یا نحوی غلطی رہ جائے تو بعید کیا ہے۔ مجھے کب یہ دعویٰ ہے کہ یہ غیر ممکن ہے۔ ان کم فرصتوں اور اس قدر جلدی میں جو کچھ قلم سے گزر جاتا ہے، میں اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہوں۔ ہاں اگر غلطی ہے تو میرے نفس کی وجہ سے۔ پھر ان غلطیوں کے ساتھ سہو کاتب شامل ہو جاتا ہے۔ پھر کب دعویٰ ہو سکتا ہے کہ یہ کتابیں صرفی یا نحوی غلطی سے پاک ہیں۔ لیکن باوجود اس کے میں کہتا ہوں۔ اور زور سے کہتا ہوں کہ اس جلدی کے ساتھ جو کچھ نظم اور نثر عربی مخالفوں کے الزام وافحام کے لئے میرے منہ سے نکلتے تھے وہ میرے منہ سے نہیں بلکہ ایک اور ہستی ہے جو ایک جاہل نادان کو اندر ہی اندر مدد دیتی ہے۔ اور بیشک وہ امر خارق عادت ہے اور کسی عدوِّ دین اور عدوِّ صادقین کو یہ توفیق ہرگز نہیں دی جائے گی کہ وہ انہی لوازمِ ارتجال اور اقتضاب کے ساتھ اس کو اخیر تک نباہ سکے۔

اور جو سرقہ کا خیال آپ نے کیا ہے آپ ناراض نہ ہوں یہ بھی صحیح نہیں۔ اس عاجز کی ایک عادت ہے شاید اس کو آپ نے سرقہ پر حمل کیا ہے۔ اور وہ

یہ ہے کہ مضمون سوچتے وقت اگر سلسلہ تحریر میں جو روانگی کے ساتھ چلا جاتا ہے کوئی فقرہ یا بعض وقت کوئی مصرعہ کسی گزشتہ قائل کا دل میں گزر جائے اور مناسب موقعہ معلوم ہو تو وہ خداتعالیٰ کی طرف سے سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے لکھنے میں اگر محل پر چسپاں ہو کچھ بھی حرج نہیں دیکھا جاتا۔ کیونکہ بے تکلف ہماری راہ میں آگیا اور عجیب تر یہ کہ اکثر اوقات مجھے بالکل احساس نہیں ہوتا اور دوسرا کہتا ہے کہ یہ مصرعہ یا فقرہ، فلاں فقرہ یا فلاں مصرعہ سے بالکل مشابہ ہو گیا ہے۔ بعض اوقات عجب طور کے توارد سے تعجب کرتا ہوں، جانتا ہوں کہ جلد باز اپنی جلد بازی اور سوء ظن سے اس پر اعتراض کرے گا۔ مگر جانتا ہوں کہ میرا کیا گناہ ہے۔ اگر کرے تو کرتا رہے۔ کلام فصیح اپنے کمال پر پہنچ کر ایک نور بن جاتا ہے۔ اور نور نور سے مشابہ ہوتا ہے۔ سرقہ کے لئے جوانی اور جوانی کا زور بازو اور وسیع فرصتیں چاہئیں وہ مجھے کہاں۔ اگر کوئی سرقہ کا خیال کرے تو کیا کرے۔ جن لوازم کے ساتھ یہ تحریریں ظہور میں آئی ہیں۔ اگر کوئی ان لوازم کے ساتھ تحریر کر کے دکھلاوے تو ایک دفعہ نہیں بلکہ ہزار دفعہ اس کو سرقہ کی اجازت دے سکتا ہوں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مضمون خاص کی بحث میں سرقہ کا دروازہ بہت تنگ ہوتا ہے۔ جو شخص اس کام میں پڑے وہ سمجھے گا کہ یہ الزام ایسے علمی مباحث میں کس قدر بیجا ہے۔

پھر یہ بات بھی آپ یاد رکھیں کہ صرفی نحوی غلطیاں نکالنے میں عجلت نہیں کرنی چاہئے۔ کچھ تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ ایک مخالف مولوی نے اسی طرح میری تالیف میں غلطیاں نکالیں۔ دوسرے اہل علم اور مخلص نے وہی غلطیاں قرآن سے نکال کر ان کی صحت کر دی ہے۔ ایک مخالف نے ایک شعر کے وزن میں بحث کی۔ اسی وقت ایک ادیب عربی نے قدماء میں سے ایک مسلم اور مشہور شاعر کا شعر پیش کیا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہماری جماعت کے ساتھ کئی ایک ادیب شامی، مدنی اور اسی ملک کے ہندوستانی شامل ہیں۔ نوبت بہ نوبت علماء اس جگہ رہتے ہیں۔

عزیز من! صرف نحو کا میدان بڑا وسیع ہے۔ صلوں میں دیکھو کہ کس قدر اختلاف ہے بعض اوقات ایک ایک لفظ کے تین تین چار چار صلے آجاتے ہیں۔ جیسا کہ بَارَكَكَ، بَارَك اللّٰهُ لكَ، بَارَك اللّٰهُ فيكَ، بَارَك اللّٰهُ عليكَ. اُنْظُرْ.

بعض جگہ من کی جگہ عن اور عن کی جگہ من اور فا کی جگہ با اور با کی جگہ فا۔ اور نئے محاورہ میں بہت فرق آگیا ہے۔

غرض یہ بڑا نازک امر ہے مجھے تعجب ہے کہ آپ کیوں اس میں پڑتے ہیں۔ اور کیوں ایسا دعویٰ کرتے ہیں کہ میں صرفی نحوی غلطیاں ملک میں شائع کروں گا۔ عزیز من اگر کوئی واقعی غلطی ہو گی تو ہمیں کب انکار ہے۔

لیکن اگر بعض آپ کی قراردادہ غلطیاں آخری تحقیقات سے غلطیاں ثابت نہ ہوئیں تو اس شتاب کاری کی کس کو ندامت ہوئی؟ نکتہ چینوں نے حریری کی بھی غلطیاں نکالیں۔ بلکہ ان دنوں میں ایک خبیث طبع بیروتگی عیسائی نے قرآن کریم کی نکتہ چینی کی ہے۔ پھر جبکہ بدباطن معترض اعتراض کے وقت پر قرآن شریف سے بھی حیا نہیں کرتے اور اہل زبان کی نظم و نثر پر بھی حملے ہوئے، تو پھر میں کیونکر کہوں کہ میں ان حملوں سے بچ سکتا ہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ بات سچ ہے کہ نکتہ چینی آسان اور نکتہ آوری مشکل ہے۔ مجھے ایک بات یاد آئی ہے اور معلوم نہیں کہ کب کا واقعہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی معمار عمارت بنا رہا تھا اور ایک فضول گو جاہل اس کے سر پر کھڑا ہوا اور اس کی عمارت میں نکتہ چینی شروع کی کہ یہ طاق خراب ہے اور یہ شاہ نشین ٹیڑھا ہے۔ معمار کاریگر اور حلیم تھا، مگر غصہ آیا اور اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اگر تیری نکتہ چینی کی بنا کسی واقفیت پر ہے تو ذرہ لگا کر مجھے بتلا۔ ورنہ ایسی نکتہ چینی سے شرم کر جس کی بنا نادانی اور ناتجربہ کاری پر ہے۔ عزیز من! دنیا میں بہت سے ایسے نکتہ چیں ہیں ان کو اپنی لیاقت کا تبھی پتہ لگتا ہے کہ جب مقابل پر کوئی کام کرنے لگیں۔ علمی معارف کو فصیح اور بلیغ اور رنگین کلام میں کماحقہ انجام دینا کوئی آسان بات نہیں ہاں نکتہ

چینی کا کرنا بہت آسان بات ہے۔ ایک گورا ریل پر سوار ریل کے موجد پر سو سو اعتراض کرتا ہے کہ اس کے کام میں یہ کسر رہ گئی ہے اور ان مشکلات کو نہیں سوچتا جو اس کو پیش آئیں اور جن میں وہ کامیاب ہوا۔

میں ایک دینی کام میں لگا ہوا ہوں اور میں ایک کمزور اور بوڑھا آدمی ہوں اور بہت کم وقت ہو گا کہ کسی کام میں میں مصروف نہ ہوں اور آپ جوان ہیں اور علمی طاقت کا بت بھی آپ کے ساتھ ضرور ہو گا۔ خدا تعالیٰ اس کو دور کرے اور آپ ناراض نہ ہوں بہت سے ایسے بت ہیں جو انسان ان کو شناخت نہیں کر سکتا اور سعید آدمی چاہتا ہے کہ وہ ٹوٹ جائیں تو اچھا ہو۔ لیکن اگر آپ کو خیال ہے کہ یہ کام انسانی عام طاقتوں کا ایک عام نتیجہ بلکہ اس سے بھی گرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ کی مدد ساتھ نہیں تو یہ ایک بیماری ہے جس کی جڑ نفسانی تکبر ہے۔ اگر اس عاجز کے ہاتھ سے دور ہو جائے تو شاید مجھ کو اس کا ثواب ہو۔ اور شاید آپ ایسے ہو جائیں کہ ہماری دینی خدمات کے کام آئیں۔ لہٰذا میں آپ کی اس درخواست کو بسر و چشم قبول کرتا ہوں جو آپ نے اپنے خط کے اخیر لکھی ہے کہ میں بمقابل رسالہ لکھنے کے لئے آیا ہوں بشرطیکہ باضابطہ اس امر کا فیصلہ ہو جائے کہ عربی انشاء پردازی کے لحاظ سے جس جانب کا رسالہ بلحاظِ اغلاط، اَنقص ہو گا، اس کو

اپنے دعویٰ زباندانی یا کشف اسرار قرآنی سے آئندہ دست بردار ہونا ہو گا۔ فقط۔

یہ آپ کی درخواست منظور ہے۔ مگر عبارت اس طرح کی چاہئے کہ جس جانب کا رسالہ جو دینی علمی مضامین پر مشتمل ہو بلحاظ اغلاط و بلحاظ دیگر لوازم بلاغت وعدم بلاغت مرتبہ صحت اور عمدگی سے گرا ہوا ہو ایسا شخص آئندہ دعویٰ زباندانی سے اور نیز دعویٰ کشف اسرار قرآنی سے دست بردار ہو۔ اور چونکہ کشف اسرار قرآنی الہام کے ذریعہ سے ہے اس لئے میں یہ بھی قبول کرتا ہوں کہ اگر آپ کا بالمقابل رسالہ جو مضامین دینیہ پر مشتمل ہو بیانِ معارف میں باوجود امتزاجِ بلاغت و فصاحت اور رنگینی عبارت میرے رسالہ سے بڑھ جائے تو پھر اپنے الہام کے عدم صحت کا مجھے قائل ہونا پڑے گا۔ مگر اس مقابلہ کے لئے میری کتابوں میں سے وہ کتاب چاہئے جس کی نسبت خدا تعالیٰ کے الہام نے بے نظیری ظاہر کی ہے۔ سو میں آپ کو اعلام دیتا ہوں کہ ان دنوں میں نے ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا نام نور الحق ہے اور اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ نصاریٰ کے ردّ میں اور دوسرا حصہ خسوف وکسوف کے بیان میں۔ اور دو خواب اور دو الہام سے مجھ پر ظاہر ہوا ہے کہ دشمن اور مخالف اس کی نظیر بنانے سے عاجز رہے گا۔

اور اگرچہ بہت ہی تھوڑا کام ہے لیکن میں نے عیسائیوں کو اس کے مقابل بنانے کے لئے دو مہینے کی مہلت دے دی ہے۔ آپ کے لئے تو صرف پندرہ دن کی مہلت کافی ہے لیکن اس لحاظ سے کہ آپ بار بار جھگڑا نہ کریں دو مہینے کی مہلت آپ کو بھی دیتا ہوں ایک مہینہ تالیف کے لئے اور ایک مہینہ شائع کرنے اور چھاپنے کے لئے اگر دو مہینے میں چھپ کر شائع نہ ہو جائے تو معاہدہ فسخ ہو گا۔ اور الزام گریز آپ پر رہے گا مگر چاہئے کہ یہ کاغذ جانبین اور گواہوں کے دستخط سے کسی اخبار میں شائع ہو جائے۔ شرائط جس کی پابندی آپ پر لازم ہوں گی وہ یہ ہیں۔

(۱) دونوں حصے نورالحق جس قدر اجزا رکھتے ہیں اسی قدر اجزا آپ کی کتاب کے بھی ضرور ہوں گے۔

(۲) جس قدر ہر دو حصے نورالحق میں اشعار ہیں۔ اسی قدر آپ کے رسالہ میں بھی اشعار چاہئیں۔ ہرگز اختیار نہیں ہو گا کہ اشعار اس سے کم ہوں۔

(۳) جو قصیدہ نونیہ ہو اس کے مقابل پر نونیہ وعلیٰ ہذا القیاس۔

(۴) ہر ایک بحر کے مقابل وہی بحر ہو اور جس طرح ہماری کتاب کا ہر ایک فقرہ مقفّا ہو اور یا استعارات لطیفہ پر مشتمل ہوں یہ پابندی بھی آپ پر واجب ہو گی۔

(۵) جہاں قصائد میں التزام علمی مضامین یا کسی امر کے دلائل بیان کرنے کا التزام ہے وہی التزام آپ کی طرف سے ہو گا اور جس طور کی سلسلہ بندی کہ نظم میں یا نثر میں میں نے بنایا ہوا ہے وہی سلسلہ بندی انجام تک آپ کے ذمہ ہو گی۔

(٦) یہ ضروری ہو گا کہ آپ کا رسالہ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ کا مصداق نہ ہو۔ از قسم ہزل نہ ہو۔ بلکہ جیسا کہ ہمارا رسالہ مباحث علمی پر مبنی ہو۔ اگر کسی جگہ آپ کو کسی بیان میں مجھ سے اتفاق ہو تو اتفاق ظاہر کریے اور معارف جدیدہ بیان کریے۔ اور اگر کسی جگہ اختلاف ہو تو ہمارے مباحث علمیہ کو رد کر کے دکھلاؤ اور جیسے میرے اشعار ایک مضمون کے بیان کرنے میں مسلسل چلے جاتے ہیں یہی شرط ان میں ملحوظ رہے۔ بایں ہمہ اشعار، اشعار کی تعداد سے مطابق ہوں اور شعر شعر کی تعداد سے۔ مثلاً اگر میرے رسالہ میں دو سو شعر پایا جائے تو آپ کے رسالہ میں بھی دو سو شعر ہونا ضروری ہو گا۔

(۷) آپ کا اختیار نہیں ہو گا کہ کوئی مضمون چھیڑیں بلکہ آپ کا رسالہ میرے رسالہ کی تصدیق یا تکذیب پر مشتمل ہو گا۔

(۸) آپ کے لئے کسی اُس تاریخ سے دو مہینے کی مہلت ہو گی کہ جب فریقین کی تحریر کسی اخبار کے ذریعہ شائع ہو کر آپ کو رسالہ نور الحق مل جائے۔

(۹) اگر آپ دو ماہ میں بالمقابل رسالہ شائع نہ کر سکیں تو آپ کو یہ اقرار کرنا ہو گا کہ میں جس مقابلہ کے لئے اٹھا تھا اس میں میں نے شکست کھائی۔

(۱۰) بالمقابل دونوں رسالوں کے نقص اور کمال دیکھنے کے لئے منصف مقرر ہوں گے اور کم سے کم ان میں ایک آدمی ایسا ادیب ہو گا جو اہل زبان اور عرب کے کسی حصہ کا رہنے والا ہو۔ منصف یہ بھی دیکھیں گے کہ شوکت کلام اور متانت کلام اور پر برکت اور موثر از مضمون اور حق اور راستی کی پابندی سے اور پھر بلاغت سے بھرا ہوا کس کا مضمون ہے۔ اگر میری شرائط میں سے کوئی شرط بالمقابل رسالہ لکھنے کے لئے ہو جو میرے رسالہ میں نہ ہو تو آپ وہ ساقط کرا سکتے ہیں۔

یہ شرائط جن کی پابندی آپ پر لازم ہو گی اگر آپ کو منظور ہوں تو ایک پانچ دن کے لئے قادیان میں آ جائیں آپ کے آنے جانے کا خرچ میرے ذمے ہو گا اگر چاہو تو پہلے بھیج دوں۔ اس جگہ کاغذ معاہدہ آپ کے روبرو لکھا جائے گا اور پھر فریقین کے دستخط اور گواہوں کی شہادت سے شائع کرا دیا جاوے گا اور اگر آپ کسی شرط کی برداشت نہ کر سکیں اور وجہ معقول بتا دیں تو اس شرط میں کسی قدر ترمیم کر دی جائے گی پھر لوگ دیکھ لیں گے

کہ خدا تعالیٰ غالب آتا ہے یا آپ غالب آتے ہیں میں اپنے آپ کو کچھ لکھا پڑھا نہیں سمجھتا جو کچھ ہو گا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو گا اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور خدا تعالیٰ میرا مولیٰ ہے تو خدا تعالیٰ مجھ کو ذلیل کرے گا اور میری رسوائی ظاہر کر دے گا لیکن اگر ایسا نہیں تو وہ رسوا ہو گا جو میرے مقابل پر آئے گا۔ کیونکہ میں کچھ نہیں یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ کہاں انسان سے ہو سکتا ہے کہ باوجود صدہا مشغولیوں اور دائمی ضعف اور علالت کے اس کی تصنیف ایسی عجلت سے ہو۔

یہ بھی یاد رہے کہ میں نے افسوس کے ساتھ اس مقابلہ کو منظور کیا ہے۔ میں اس وقت عیسائیوں کی طرف متوجہ ہوں ایک وہ گروہ ہے جو صدق دل سے اپنے وطن چھوڑ کر میرے پاس آبیٹھے ہیں اور خدمت میں مشغول ہیں کوئی کسی تالیف میں مصروف ہے کوئی خطوط نویسی میں مدد دیتا ہے اور کسی نے انگریزی خط لکھنے کا ذمہ لیا ہے اور کوئی عربوں کے خطوط کا عربی میں جواب دیتا ہے اور چند روز زندگی کو ہیچ سمجھ کر اللہ جل شانہ کی راہ میں فنا ہو رہے ہیں اس جگہ رہ کر غریبوں کی طرح نان ونمک پر گذارہ کر رہے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض انہیں میں بہت روتے ہیں بات بات

میں انکے آنسو جاری دیکھتا ہوں۔ فاضل ہیں عالم ہیں ادیب ہیں خاکسار ہیں لیکن افسوس کہ آپ کو بے بنیاد عمر کا فکر نہیں کیا اچھا ہوتا کہ محبت کے ساتھ دینی فکر میں مشغول ہوتے اور مددگاروں میں شامل ہو جاتے اور مجھے راحت پہنچاتے اور اس کا اجر راحت دیکھتے مثلاً رسالہ نور الحق لاہور میں چھپ رہا ہے اور یہ کسی خود نمائی کی غرض سے نہیں بلکہ محض ان پلید عیسائیوں کا منہ بند کرنے کے لئے ایک ہتھیار ہے جو قرآن شریف پر ٹھٹھا اور اس پاک کلام کی فصاحت پر حملہ کر رہے ہیں مگر میں قادیان میں ہوں اور لاہور میں چھپتا ہے۔ لاہور میں کوئی آدمی ایسا نہیں کہ پروف کو بھی دیکھ سکے اور للہ محنت کرے اور اس میں غور کرے اور کوئی غلطی ہو تو درست کر سکے۔ آخر پروف میرے پاس آتا ہے اور بیمار طبع ہوں کوئی محنت کا کام مجھ سے نہیں ہو سکتا ادنیٰ توجہ سے درد سر شروع ہو جاتا ہے پھر غلطی رہنے کا احتمال ہوتا ہے۔ بعض ادیب دوست ہیں وہ بھی خدمات سے خالی نہیں اور ہمیشہ پاس نہیں رہ سکتے ایک عرب صاحب محض خط لکھنے کے لئے مقرر ہیں وہ دوسرا کام نہیں کر سکتے ان باتوں کے خیال سے دل بہت دکھتا ہے۔ مجھے اس کی کیا غرض کہ میں نفسانی دعویٰ کروں اور اگر کوئی اس عزت کو لینے والا ہو یہ سب عزت اس کو دے دوں مگر دینی

غمخوار کم ہیں۔ اب نور الحق کے لئے پانچ ہزار روپے کا اشتہار شائع کر چکا ہوں اور چودہ سو اشتہار اردو میں شائع کر چکا ہوں جن میں سے ایک آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اور اب چودہ سو انگریزی میں چھپ رہا ہے یہ تو میں نے اسلامی غیرت سے اپنی اس علیل طبیعت میں کیا اور نہایت سرسری نگاہ سے صرف چند روز میں اس کو تمام کیا اور میرے دوست جانتے ہیں کہ علاوہ اس کے کہ سو سو شعر گھنٹہ میں طیار ہوئے پھر اگر ایسے اسباب کے ساتھ احتمال غلطی نہ ہو تو غلطی کے لئے اور کون سے اسباب ہوا کرتے ہیں۔ بعض وقت لکھتا ہوں تو آنکھوں کے آگے اندھیرا اتر جاتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ غشی آگئی مگر ایسا قائمقام نہیں پاتا جو بکلی مہیا کاموں کا متکفل ہو جائے۔ اگر آپ محبت کی وجہ سے یہ خدمت اختیار کرتے جو رسالہ نور الحق کو ہی تدبر سے دیکھتے اور للہ خدمت کرتے اور غلطی پاتے تو اس کو درست کر دیتے اور عیسائی گروہ پر رعب ڈالنے کے لئے کوئی تقریظ لکھتے۔

نشست کا سامان نہیں اور جلدی سے یہ چند سطر کھینچ دیں ہیں اور یہ خط میں نے ایک ساعۃ فرصت نکال کر لکھا ہے مگر ہمیشہ مجھے اپنے ہاتھ سے لکھنے کی فرصت نہیں اور میں نے کوئی کلمہ سخت آپکو نہیں لکھا اور نہ کچھ رنج کیا

اور نہ رنج کا مقام تھا۔ اکثر لوگ کافر دجال بے ایمان کہتے ہیں بڑی بڑی گالیاں نکالتے ہیں ان کی کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ معاملہ خدا تعالیٰ سے ہے۔‘‘

(مکتوب بنام مولوی اصغر علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور مورخہ ۳؍ اپریل ۱۸۹۴ء۔ مطبوعہ ہفت روزہ الحکم جلد ۷ نمبر ۳۸ مورخہ ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۵ تا ۷)

وَآخِرُ دَعْوانَا اَنِ الْحَمدُ لله رَبِّ العَالَمِينَ.

☆...☆...☆